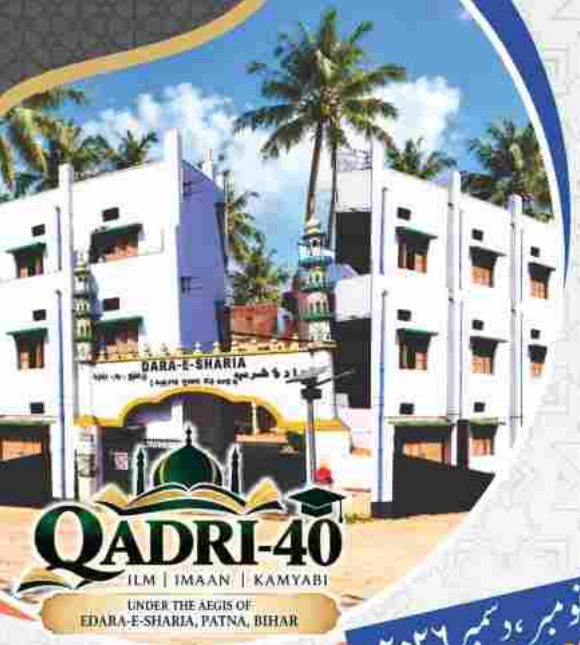

مسلک اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان

ماہنامہ الرضا پٹنہ انٹرنیشنل

BIMONTHLY AL-RAZA
(INTERNATIONAL) PATNA

نومبر، دسمبر ۲۰۲۶ء
Nov. Dec. 2026

اداریہ

مرکزی ادارہ شرعیہ کا تاریخ ساز قدم

قادری ۴۰ کی تشکیل۔۔اور۔۔آن لائن فتاویٰ شرعیہ ویب سائٹ کا اجرا

جھلکیاں

- فتاویٰ رضویہ پر اعتراض کا تنقیدی محاسبہ
- تنقید کا عملی شعور اور قرآن کی تعلیمات
- موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ترقی کے امکانات
- مسمار ہوتی مسجدیں: اور ہماری ذمہ داریاں
- فروغ رضویات میں ملک العلما کا کردار
- دو ضخیم جلدوں میں ''ارمغان رضا'' کی ترتیب
- درود و سلام پر اخباری اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

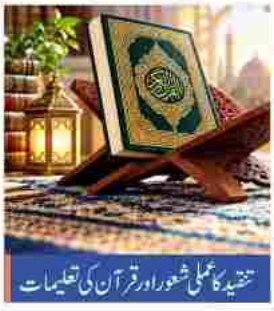
تنقید کا عملی شعور اور قرآن کی تعلیمات

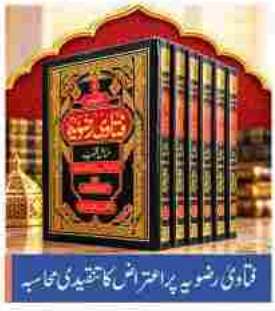
فتاویٰ رضویہ پر اعتراض کا تنقیدی محاسبہ

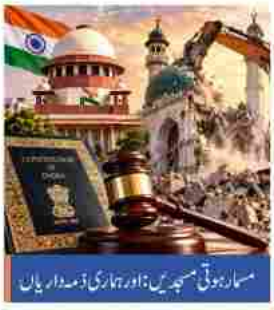
مسمار ہوتی مسجدیں: اور ہماری ذمہ داریاں

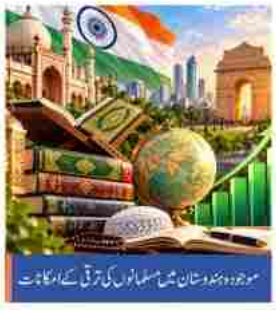
موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ترقی کے امکانات

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد

پیشوایان

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری
قدس سرہ العزیز

بطل الاسلام

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ
محمد حامد رضا خاں قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ
محمد مصطفےٰ رضا نوری قدس سرہ العزیز

بنگلہ زمان

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت علامہ
الشاہ مفتی اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری قدس سرہ العزیز

زیر عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ
ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ

مسلک اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان

سہ ماہی الرضا انٹرنیشنل پٹنہ

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

شمارہ نمبر ۹۰ | جلد نمبر ۱۰

ستمبر تا دسمبر ۲۰۲۶ء Sep. to Dec. 2026

سرپرست مجلس ادارت

شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ عسجد رضا خاں قادری مدظلہ العالی

مجلس ادارت

• مفتی ذوالفقار خان نعیمی • مولانا بلال انور رضوی مصباحی، جہان آباد • غلام مصطفیٰ نعیمی دہلی • مولانا جمال انور رضوی کلیر، جہان آباد • مولانا قمر الزماں مصباحی • مولانا سید شاہ عبد القادر جیلانی میاں ممبئی • مولانا مستقیم احمد رضوی ناگپور • مولانا ابو محمد غزالی ناگپور • ڈاکٹر شفیق اجمل قادری بنارس • مولانا عبد الرحیم نشتر فاروقی • مولانا قاری نوازش کریم فیضی • مولانا حماد رضا قادری پٹنہ

مدیر اعلیٰ:
ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد، پٹنہ

مدیر:
احمد رضا صابری، پٹنہ

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

سہ ماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ
پتہ: القلم فاؤنڈیشن، گراؤنڈ فلور، جامعہ حضرت فاطمہ
عالم گنج، پٹنہ (بہار) ۸۰۰۰۰۶

Cont. 9835423434 / 8521889323 / 9508881232

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna
C/o. AL-QALAM FAOUNDATION
Jamia Hazrat Fatima, Alamganj
Patna - Pin. No. 800006
E-mail: alraza1437@gmail.com

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434
رابطہ: (مدیر) ahmadrazasabri@gmail.com/ 8521889323

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرسالانہ ختم ہو چکا ہے برائے کرم اپنا زرسالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، سالانہ ۱۸۰ روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۵ امریکی ڈالر

قانونی انتباہ! مضمون نگار کی آرا سے ادارہ ''الرضا'' کا اتفاق ضروری نہیں! کسی بھی مسئلہ میں ادارہ الرضا کا موقف وہی ہے جو اعلیٰ حضرت کا ہے اس کے خلاف اگر کوئی مضمون دکھ کہ میں شائع ہو بھی جائے اسے کالعدم سمجھا جائے، کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف پٹنہ کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔

پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹیڈ) نے سبزی باغ سے طبع کر کے دفتر دوماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

مشمولات

منظومات

* نعتیہ کلام — اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ — 03

اداریہ

* مرکزی ادارہ شرعیہ کے دو عظیم منصوبے — محمد امجد رضا امجدؔ — 04

تاثرات

* مفتی رفیق الاسلام رضوی، * مولانا قمر الزماں مصباحی * مفتی سبطین رضا مرتضوی
* مفتی محمد رضا رضوی * ڈاکٹر ذاکر حسین رضوی * ، مفتی انیس الرحمٰن بہرائچی ۔ — 08

آپ کا سوال

* فتاویٰ رضویہ کی ایک عبارت پر اعتراض کا جواب — فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی — 14

فکر و نظر

* تنقید کا عملی شعور اور قرآن کی تعلیمات — ڈاکٹر حبیب الرحمٰن علیگ — 18
* موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ترقی کے امکانات — مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی — 24
* درود و سلام پر اخباری اعتراضات کا تنقیدی جائزہ — ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ — 29

مطالعہ رضویات

* اعلیٰ حضرت اور شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس کی ملاقات — مولانا انیس الرحمٰن بہرائچی — 36
* فروغ رضویات میں ملک العلما کا کردار — مولانا حشیم الدین قادری — 38
* دو ضخیم جلدوں میں ''ارمغان رضا'' کی ترتیب — شاہ منور حسین قادری بخاری — 41

یاد رفتگاں

* برکۃ العصر علامہ عبدالعلی آسی مدراسی: کے احوال و آثار — مفتی محمود احمد رفاقتی — 47
* امین شریعت سوم حضرت مفتی عبدالواجد قادری: چند یادیں — مفتی حامد القادری — 51

سوشل میڈیا کا در پن

* مسمار ہوتی مسجدیں: اور ہماری ذمہ داریاں — شفیق فیضی — 55
* یکساں سول کوڈ: ایک تحقیقی جائزہ — احمد رضا صابری — 61

* * *

منظومات

حسان الہند امام احمد رضا قادری

چمنِ طیبہ میں سُنبل جو سنوارے گیسو
حُور بڑھ کر شِکن ناز پہ وارے گیسو

کی جو بالوں سے ترے روضہ کی جاروب کشی
شب کو شبنم نے تبرک کو ہیں دھارے گیسو

ہم سیہ کاروں پہ یارب تپشِ محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو

چرچے حُوروں میں ہیں دیکھو تو ذرا بال براق
سُنبلِ خلد کے قربان اُتارے گیسو

آخرِ حج غمِ اُمّت میں پریشاں ہو کر
تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو

گوش تک سُنتے تھے فریاد اب آئے تا دوش
کہ بنیں خانہ بدوشوں کو سہارے گیسو

سُوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

کعبۂ جاں کو پنہایا ہے غلافِ مُشکیں
اُڑ کر آئے ہیں جو ابرو پہ تمہارے گیسو

سِلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں
سجدۂ شکر کے کرتے ہیں اِشارے گیسو

مُشک بُو کوچہ یہ کس پھول کا جھاڑا ان سے
حُور یو عنبر سارا ہوئے سارے گیسو

دیکھو قرآں میں شبِ قدر ہے تا مطلعِ فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

شانِ رحمت ہے کہ شانہ نہ جُدا ہو دم بھر
سینہ چاکوں پہ کچھ اس درجہ ہیں پیارے گیسو

شانہ ہے پنجۂ قدرت ترے بالوں کے لئے
کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوارے گیسو

اُحدِ پاک کی چوٹی سے اُلجھ لے شب بھر
صبح ہونے دوشبِ عید نے ہارے گیسو

مژدہ ہو قبلہ سے گھنگھور گھٹائیں اُمڈیں
ابروؤں پر وہ جھکے جھوم کے بارے گیسو

تارِ شیرازۂ مجموعۂ کونین ہیں یہ
حال کُھل جائے جو اِک دم ہوں کنارے گیسو

تیل کی بُوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضاؔ
صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

□□□

مرکزی ادارۂ شرعیہ کے دو اہم منصوبے

قادری ۴۰ ۴؍اور آن لائن فتاوی شرعیہ ویب سائٹ: ایک تعارف

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ
قاضی شریعت مرکزی دارالقضا ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ

''..... یہ کام فرد کا نہیں، جماعت کا ہے۔ اسی لیے اسے کسی ایک فرد کی انفرادی کوشش تک محدود رکھنے کے بجائے اجتماعی طور پر انجام دینے کے لیے ایک مجلس کی تشکیل ضروری سمجھی گئی۔ اس سلسلے میں ۲۸؍ ستمبر کو مرکزی ادارۂ شرعیہ کے رئیس القلم سیمینار ہال میں قاضیانِ ادارہ شرعیہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، جس میں انہوں نے باتفاق رائے ادارہ شرعیہ کے اس اقدام کو سراہا اور اپنے تعاون کی پیش کش کی۔ چنانچہ اسی مجلس میں قاضیانِ شریعت اور مفتیانِ کرام کو فقہی ابواب تقسیم کئے گئے اور یہی طے پایا کہ مجلس آن لائن فتاویٰ شرعیہ'' کا دوسرا اجلاس ۲۵؍ اکتوبر ۲۰۲۶ء کو کلکتہ میں منعقد ہو، جس میں مفتیانِ کرام اپنے اپنے ابواب سے متعلق کم از کم ۱۰۰؍ سو سوالات مرتب کرکے لائیں۔ الحمد للہ تجویز کے مطابق ۲۵؍ اکتوبر ۲۰۲۶ء کو حضرت مفتی رفیق الاسلام رضوی صاحب بانی دارالعلم مٹیابرج کلکتہ کی سربراہی میں شاندار تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا، جس میں ۱۰۰؍ مفتیانِ کرام نے شرکت فرمائی اور اپنی کارکردگی پیش کی.....''

مرکزی ادارۂ شرعیہ بہار الہند، ایک ممتاز علمی، دینی اور ملی ادارہ ہے، جو تقریباً چھ دہائیوں سے جماعت اہل سنت کی علمی، مذہبی، ملی اور سیاسی رہنمائی کی خدمتیں انجام دے رہا ہے۔ اس کے متنوع علمی خدمات، مجموعہ ہائے فتاویٰ، تعلیمی شعبوں میں نمایاں کارکردگی، تربیتِ افتا کے نظام اور ملک کے مختلف صوبوں میں قائم شاخوں نے اسے اہل علم اور عوام کے درمیان ایک معتبر مقام عطا کیا ہے۔ ۱۳؍ صوبوں میں اس کی شاخوں کا قیام اس کے وسیع تنظیمی دائرے کا قابل فخر اعلامیہ ہے۔

مرکزی ادارہ شرعیہ نے اپنے قیام سے اب تک تاریخ میں اپنی خدمات کے جو گہرے نقوش چھوڑے ہیں ان کی نظیر مشکل ہے۔ سپرم کورٹ میں تین طلاق کے خلاف قانونی سرد جنگ، ملک کے تین صوبوں میں تحریک بیداری کے درجنوں اجلاس سینکڑوں کی تعداد میں مفتیان کرام کی تربیت، عوام کو پیش آمدہ مشکلات میں ان کی ملی رہنمائی، ایسی خدمات نہیں جنہیں آسانی سے فراموش کیا جاسکے۔

اداریہ

اسی سوچ کے تحت جب ادارہ نے یہ محسوس کیا کہ موجودہ دور میں مسلم طلبہ کو ایسے تعلیمی نظام کی بھی ضرورت ہے، جو ان کی دینی واخلاقی شناخت کو محفوظ رکھتے ہوئے انہیں جدید علوم، سائنسی ترقی، ٹیکنالوجی اور مسابقتی امتحانات میں کامیابی سے ہم کنار کرسکے، تو ادارہ کے ارباب حل وعقد نے قادری ۴۰ کے نام سے ایک علمی مرکز کی بنیاد رکھنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ایک نشست بلاکر اسے حتمی فیصلہ میں لیا، پھر ۲۷ ستمبر ۲۰۲۶ء کو مرکزی ادارہ شرعیہ کے رئیس القلم سیمینار ہال میں اصحاب فکر ونظر کا ایک مشاورتی اجلاس منعقد کیا جس میں تمام مندوبین نے ادارہ کی اس سوچ کی تائید کرتے ہوئے قادری ۴۰ کی پہل کو وقت کی ضرورت قرار دیا اور اپنے تعاون کی بھرپور یقین دہانی کرائی۔

اس سے انکار نہیں کہ ملک کے اور بھی ادارے اس نہج پہ کام کررہے ہیں، مگر کروڑوں کی آبادی والے ملک میں ایک دو اداروں سے ان تمام آرزوؤں کی تکمیل نہیں ہوسکتی ہے، جو کروڑوں ذہنوں میں تڑپ رہی ہیں۔ دوسری اہم بات یہ کہ جن لوگوں نے ایسے ادارے کھول رکھے ہیں اہل سنت کے طلبہ کا ان مراکز سے رجوع بہت مشکل ہے۔ مالی اخراجات کے ساتھ سب سے اہم مسئلہ اس فکری تضاد کا جس کے سبب یہاں کے مسلمان کئی خانوں میں منقسم ہیں۔ عقیدہ کے اعتبار سے جہاں فکری کجروی ہے اس ماحول میں اپنے بچوں کو دینا حدیث پاک إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ کے خلاف ہے۔ ابھی تازہ اطلاع ملی کہ مولانا عین الحق صاحب سیتامڑھی نے اپنے بچہ کو ایسے ہی ایک اکیڈمی میں پڑھنے کے لئے بھیجا، بچہ فکری اعتبار سے اہل سنت کا ہونے کے سبب اپنی نماز جماعت سے نہیں پڑھ پاتا تھا جس کے سبب وہاں کے معلم نے اس بچہ کو اتنا زدوکوب کیا کہ اس کے والد کو وہاں جاکر اپنے بچہ کی جان بچا کر لانا پڑا۔ ایسے ماحول میں سوچا جاسکتا ہے کہ سنی طلبہ کا وہاں جانا کتنی کٹھنائیوں کا سبب ہے۔ مشاہدہ کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ ایسا بچہ وہاں جانے کے سبب یا تو دین سے جائے گا یا پھر صحت وتندرستی سے۔ ایسی صورت میں قادری ۴۰ کے قیام کا مسئلہ استحبابی نہیں ضروری ہوجاتا ہے۔

قادری ۴۰ خصوصی طور پر مدارس کے طلبہ کے لئے بہت اہم ہے جو افلاس کے سبب اپنا تعلیمی سفر منقطع کردیتے ہیں گھر کی مجبوریاں سدراہ ہوتی ہیں یا پھر مناسب رہنمائی نہیں ہونے کے سبب ان کے اندر کی صلاحیتیں دم توڑ دیتی ہیں۔ حالانکہ اگر مدارس کی تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اس چہار دیواری میں صرف دین کی تعلیم نہیں ہوتی، بلکہ ذہن کی اس توانائی کو بھی بیدار بھی

کیا جاتا ہے، جو بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے طلبہ کی صلاحیتوں کی شناخت کی جائے اور ان کی صحیح علمی رہنمائی کی جائے۔ ادارۂ شرعیہ کے اس اقدام کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس منصوبے کے ذریعے جدید تعلیم کے حصول کی طرف نوجوانوں کا رجحان بڑھے گا اور اس کے اثرات مختلف صوبائی و علاقائی حلقوں تک پہنچیں گے۔

آن لائن فتاویٰ شرعیہ: مستند فقہی رہنمائی کا نیا باب

آج انٹرنیٹ، عام زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ کسی بھی دینی یا فقہی مسئلے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے لوگ سب سے پہلے گوگل یا دیگر سرچ انجنوں سے رجوع کرتے ہیں۔ ایسے میں اگر ان کی مثبت اور صالح رہنمائی نہیں کی گئی تو وہ غیر معتبر معلومات کے ساتھ ایسے مواد سے بھی غیر شعوری طور پر متاثر ہو سکتے ہیں، جو ان کے عقیدہ و مسلک کے لیے مہلک ہو۔ اس صورت حال میں اہل سنت و جماعت، بالخصوص مسلک اعلیٰ حضرت کے مستند علمی ذخیرے کو ڈیجیٹل دنیا میں منظم انداز سے پیش کرنا ایک اہم علمی ضرورت ہے۔

مرکزی ادارۂ شرعیہ نے اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آن لائن فتاویٰ شرعیہ ویب سائٹ کی تشکیل کا عزم کیا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں موجود افراد اگر انٹرنیٹ کے ذریعے شرعی مسائل جاننا چاہیں تو انہیں اہلِ سنت و جماعت کی یہ ویب سائٹ مستند علمی و شرعی مواد فراہم کرے۔ ہمارے اکابر مفتیانِ اہلِ سنت نے مختلف ادوار میں جن فقہی مسائل پر تفصیل کے ساتھ رہنمائی کی، وہ کتابی صورت میں دستیاب تو ہیں، مگر ان کتابوں تک ہر شخص کی رسائی ممکن نہیں۔ اگر رسائی ہو بھی جائے تو اس برق رفتار دنیا میں جہاں ایک کلک پہ کئی جوابات ان کے سامنے جاتے ہوں، کون کتابیں پڑھتا ہے۔ اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ان کتابوں سے استفادے کی راہ آسان بنائی جائے، اور اس کی صورت یہی ہے کہ ان فتاویٰ کو فقہی ابواب کی ترتیب کے ساتھ آسان زبان اور شستہ اسلوب میں آن لائن فراہم کیا جائے، اور جو مسائل مطبوعہ کتابوں میں دستیاب نہیں ہیں، ان کے سوالات مرتب کر کے جوابات لکھوائے جائیں، تاکہ سائل کو کسی بھی مسئلہ میں مایوسی نہ ہو۔

مجلسِ آن لائن فتاویٰ شرعیہ کی تشکیل:

یہ کام فرد کا نہیں، جماعت کا ہے۔ اسی لیے اسے کسی ایک فرد کی انفرادی کوشش تک محدود رکھنے کے بجائے اجتماعی طور پر انجام دینے کے لیے ایک مجلس کی تشکیل ضروری سمجھی گئی۔ اس سلسلے میں ۲۸ ستمبر کو مرکزی ادارۂ شرعیہ کے رئیس القلم سیمینار ہال میں قاضیان ادارہ شرعیہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، جس میں انہوں نے باتفاق رائے ادارہ شرعیہ کے اس اقدام کو سراہا اور اپنے تعاون کی پیش کش کی۔ چنانچہ اسی مجلس میں قاضیان شریعت اور مفتیان کرام کو مجلس کے تحت فقہی ابواب تقسیم کئے گئے اور یہیں طے پایا کہ مجلس آن لائن فتاویٰ شرعیہ'' کا دوسرا اجلاس ۲۵ اکتوبر ۲۰۲۶ء کو کلکتہ میں منعقد ہو، جس میں مفتیان کرام اپنے

اپنے ابواب سے متعلق کم از کم ۱۰۰/سوسوالات مرتب کر کے لائیں۔الحمدللہ تجویز کے مطابق ۲۵/اکتوبر ۲۰۲۶ءکوحضرت مفتی رفیق الاسلام رضوی صاحب بانی دارالعلم مٹیابرج کلکتہ کی سربراہی میں شاندار تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا،جس میں ۱۰۰/مفتیان کران نے شرکت فرمائی اوراپنی کارکردگی پیش کی۔کام کی رفتاراورمفتیان کرام کے جذبہ کودیکھتے ہوئے اسی اجلاس میں طے پایا کہ ’’آن لائن فتاویٰ شرعیہ‘‘ کا تیسرا اجلاس اسی سال شب برات کے بعد منعقد ہوجس میں تمام مفتیان کرام سوال مع جواب کا ۲۵/فیصد کام مکمل کر کے تشریف لائیں۔اس نشست میں اس خاکسار امجد رضا امجدؔ نے جواب کے طریقہ کار کا ایک خاکہ مفتیان کرام کے سامنے پیش کیا جسے سبھوں نے تسلیم کیا اوراسی خاکہ کے مطابق کام کوجلد از جلد مکمل کرنے کا عزم کیا۔

بظاہر قادری ۴۰ اور آن لائن فتاویٰ شرعیہ دومختلف کام ہیں۔ایک کا تعلق تعلیم وتربیت اور مسابقتی تیاریوں سے ہے، جب کہ دوسرے کا تعلق نئی نسل اور عام مسلمانوں کی فقہی رہنمائی سے ہے۔لیکن گہرائی سے دیکھا جائے تو دونوں کا تعلق ایک ہی بنیادی مقصد سے ہے: نئی نسل اور عام مسلمانوں کوان کی ضروریات کے مطابق صحیح رہنمائی فراہم کرنا۔

قادری ۴۰ کے ذریعے اس ضرورت کوسامنے رکھا گیا ہے کہ طلبہ کوعلم، کردار وعمل اور مسابقتی میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کیے جائیں، تاکہ وہ حالات کا مقابلہ کرسکیں جب کہ آن لائن فتاویٰ شرعیہ کے ذریعے اس ضرورت کی تکمیل کی کوشش کی گئی ہے کہ شرعی مسائل کے سلسلے میں عوام کوصحیح ودرست رہنمائی فراہم کی جائے۔اس طرح دیکھا جائے تو ایک منصوبہ تعلیمی وعملی استعداد کی تعمیر کی کوشش ہے،تو دوسرا علمی وفقہی رہنمائی کا ذریعہ۔

آج ہمیں اگرایک طرف ایسی نسل کی ضرورت ہے، جوعلم، کردار اور روحانی قوتوں سے آراستہ ہوتو دوسری طرف ایسے علمی اداروں کی بھی ضرورت ہے، جوشرعی رہنمائی کے جدید ذرائع سے فائدہ اٹھا کرعوام کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ان دونوں ضرورتوں کے درمیان توازن قائم کرنا اور دونوں کواس طرح بروئے کارلانا کہ مطلوبہ مقاصد پورے طور پر کامیاب ہوں، بہت ضروری ہے۔

اہل علم، اہل خیر، جملہ اساتذہ وطلبہ اوراداروں سے وابستہ تمام افراد سے گزارش ہے کہ وہ ادارہ کی اس کوشش کو سمجھیں، اس کا دست وبازو بنیں، اسے سراہیں اور یہ کیسے اور بھی موثر ہوسکتا ہے اس کے لئے مفید مشوروں سے بھی نوازیں نیز اپنے اپنے حلقہ اثر میں تعاون کا جذبہ پیدا کریں۔خصوصاً ایسے منصوبوں میں اجتماعی تعاون کی اہم ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ ان کے فوائد کسی ایک فرد یا ایک مقام تک محدود نہیں رہتے، بلکہ ان سے ایک جہاں مستفید ہوسکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرکزی ادارۂ شرعیہ بہارالہند کے ذمہ داران، علما، مفتیانِ کرام، اساتذہ اور تمام معاونین کو اخلاص، استقامت اور حسنِ تدبیر کے ساتھ ان منصوبوں کو کامیابی سے آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے، اورانہیں ملت کے لیے نافع، دیرپا اور بابرکت خدمات کا ذریعہ بنائے۔آمین۔

□□□

قارئین کے تاثرات

قارئین! مداحانہ نہیں، اپنے ناقدانہ وحقیقت پسندانہ تاثرات بھیجیں، یہ مجھے رسالہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں معاون ثابت ہو۔

اداریہ ایک سنگین مسئلہ کی طرف متوجہ کرتا ہے

مفتی رفیق الاسلام رضوی
ڈائرکٹر مرکزی دارالعلم، مٹیا برج، ہوڑہ

دوماہی ''الرّضا'' کا جولائی واگست ۲۰۲۶ء کا شمارہ اپنے موضوعاتی تنوع کے باعث توجہ کا مستحق ہے۔ اس کے مندرجات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ ایک طرف دینی وعلمی روایت سے اپنا تعلق مضبوط رکھتا ہے، دوسری طرف اپنے عہد کے سماجی، فکری اور تعلیمی مسائل سے بھی بے خبر نہیں رہنا چاہتا۔ کسی رسالے کی زندگی کا راز یہی ہے کہ اس کے صفحات میں ماضی کی علمی میراث بھی محفوظ ہو اور حال کے سوالات پر غور وفکر کا سامان بھی موجود ہو۔

اس شمارے کا اداریہ ''جیل سے باعزت بری ہونے والے مظلوموں کی پکار'' ایک اہم انسانی اور قانونی مسئلے کو سامنے لاتا ہے۔ اداریے کے عنوان ہی میں مظلوموں کی پکار کا تصور موجود ہے، جو قاری کو اس سوال کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص برسوں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد بے قصور ثابت ہو، تو اس کی زندگی کے ضائع شدہ وقت، اس کے خاندان کی پریشانیوں اور اس کی عزتِ نفس کے نقصان کی تلافی کیسے ہوگی؟

اداریے میں حکومت سے اس نوعیت کے قانون کا مطالبہ کیا گیا ہے جس کے ذریعے بے گناہوں کو جھوٹے مقدمات میں پھنسانے والوں کو جواب دہ بنایا جاسکے۔ اس مضمون کی بنیادی اہمیت یہی ہے کہ یہ انصاف کے تصور کو صرف سزا اور رہائی کے دائرے میں نہیں دیکھتا، بلکہ اس کے انسانی نتائج پر بھی توجہ دلاتا ہے۔ قانون کی بالادستی اسی وقت بامعنی بنتی ہے جب اس کا مقصد انسان کی جان، مال، آزادی اور عزت کا تحفظ ہو۔ بے گناہ کو انصاف ملنا یقیناً ضروری ہے، لیکن کسی بے قصور کو ناحق اذیت پہنچانے والے کے عمل کا احتساب بھی انصاف کے تقاضوں میں شامل ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں ایک دینی رسالے کی سماجی ذمہ داری سامنے آتی ہے۔ مذہبی صحافت اگر معاشرے کے دکھ درد، انسانی حقوق اور عدل وانصاف کے مسائل پر گفتگو کرتی ہے تو وہ اپنے دائرۂ کار کو وسیع کرتی ہے۔ ''الرّضا'' کے اس اداریے میں یہی پہلو نمایاں ہے کہ ایک دینی وعلمی جریدہ سماجی ناانصافی کے موضوع کو بھی اپنے صفحات میں جگہ دیتا ہے اور قارئین کو اس پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

رسالے کا ''آپ کا سوال'' کالم علمی رہنمائی کے اعتبار سے اہم ہے۔ اس شمارے میں ''عزتِ نفس'' اور ''دوسرے بالخصوص معالم'' سے متعلق سوال کو جگہ دی گئی ہے۔ سوال وجواب کا اسلوب اس لیے مفید ہے کہ یہ علم کو قاری کی عملی ضرورت سے قریب کرتا ہے۔ علمی گفتگو اس وقت زیادہ مؤثر ہوتی ہے جب وہ لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکالات کو سامنے رکھ کر کی جائے۔ اس کالم کی افادیت اس بات میں ہے کہ قاری کو اپنی الجھن پیش کرنے اور اس کے بارے میں علمی جواب حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

''مطالعۂ رضویات'' اس شمارے کی علمی شناخت کا ایک اہم

حصہ ہے۔فہرست میں امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے علمی وتحقیقی کارناموں، فقہی خدمات اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر متعدد مضامین درج ہیں۔ یہ تنوع رضویات کے میدان میں وسعتِ مطالعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔امام احمد رضا کی علمی شخصیت کا مطالعہ صرف ان کے نام سے وابستہ عقیدت کا اظہار نہیں، بلکہ ان کی تصنیفات، استدلال، فقہی بصیرت اور علمی خدمات کو سمجھنے کی کوشش بھی ہے۔ایسے مضامین اس وقت زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں جب وہ حوالہ جاتی تحقیق، اصل مصادر اور واضح علمی استدلال کے ساتھ قارئین تک پہنچیں۔

''سوشل میڈیا کالم'' کی شمولیت بھی موجودہ حالات کے لحاظ سے قابلِ توجہ ہے۔اس شمارے میں مدارس، دینی تعلیم، سماجی سرگرمیوں اور تعلیمی مسائل سے متعلق عنوانات سامنے آتے ہیں۔ سوشل میڈیا کے دور میں دینی اداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نئی نسل کی دلچسپیوں کو سمجھیں۔صرف سوشل میڈیا کے نقصانات بیان کرنا کافی نہیں؛ اس کے مثبت استعمال، علمی مواد کی ترسیل اور دینی اداروں کی تعلیمی سرگرمیوں کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کے امکانات پر بھی توجہ دینی چاہیے۔

□□□

اداریہ کروڑوں دل کی آواز ہے

مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری
ڈائرکٹر ادارہ لوح وقلم مظفر پور

محب محترم حضرت علامہ ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دوماہی ''الرضا انٹرنیشنل'' پٹنہ جولائی اور اگست 2026/ کا تازہ شمارہ نگاہوں کی زینت ہے۔تمام مشمولات خوب سے خوب تر ہیں۔الرضا انٹرنیشنل کا ظاہری حسن قاری کو اپنی طرف کھینچتا ہی ہے الحمد اللہ باطنی حسن بھی دامنِ دل می کشد کا خوبصورت منظر پیش کرتا ہے ہر مضمون فکری بلندی، قلمی بصیرت، لسانی عظمت، معلومات کی وسعت، فکر وتحقیق کی لطافت اور ادبی نزاکت سے بھرپور ہے۔آپ کا اداریہ " جیل سے باعزت بری ہونے والے مظلوموں کی پکار " یہ صرف آپ کا کرب نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں بسنے والے ہر دلِ دردمند کی آواز ہے کاش کہ ہمارے سیاسی قائدین بھی اس درد کو اپنا درد وکرب محسوس کر لیتے تو جیل کی سلاخوں میں بند دکھیاروں کو یہ دن دیکھنے کو نہیں ملتے۔وہ تو تخت طاؤس پر بیٹھ کر اپنی سیاسی جنتوں کے مزے لوٹ رہے ہیں اور بے قصوروں کی زندگی جہنم بنی ہوئی ہے اب کون ہے جو ان مظلوموں کی آہ وفغاں کو سنے اور ان کی مدد کو پہنچے۔خدا کرے کہ آپ کے پرسوز قلم سے لکھے ہوئے اداریے کی صدا ایوان حکومت تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے اور مظلوموں کے درد کی دوا ثابت ہو۔

مطالعہ رضویات کے باب میں بھی بڑے علمی، فکری، ادبی اور تحقیقی مضامین شامل ہیں جن سے رضویات کے نئے نئے باب وا ہوتے ہیں یوں بھی رضویات کے حوالے سے آپ کے قلمی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہے۔سچائی یہ کہ "الرضا انٹرنیشنل "صرف ایک رسالہ نہیں ہے بلکہ جماعت اہلسنت اور مسلک اعلیٰ کے افکار نظریات کا ایسا بے باک ترجمان ہے جس کے ہر سطر سے مسلکی فروغ جماعتی سوز، مذہبی کرب اور ملی درد نمایاں ہے۔خدا وند قدوس آپ کو سلامت باکرامت رکھے تا کہ آپ کا قلم یوں ہی علم وتحقیق، فکر وشعور اور زبان وادب کا پھول کھلاتا رہے آمین

□□□

الرضا نے روح کی بنجر زمین کو تر کر دیا

مفتی سبطین رضا مرتضوی

مکرمی مدیر اعلیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شب تیرہ کی زلفوں میں جب خاموشی کے دیے جلتے ہیں اور

وقت اپنے پاؤں سے چاپ مٹا کر گزرتا ہے، تو فکر و آرزو کی میز پر دھرے صفحات ایک عجیب معطر دنیا کا در وا کر دیتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں "دوماہی الرضا انٹرنیشنل" کا نیا شمارہ (جولائی-اگست 2026ء) ہاتھ میں آیا، اور ورق گردانی کرتے ہوئے یوں لگا جیسے علم، ادب اور دردمندی کی ایک ایسی ہوا چلی ہو جس نے روح کی بنجر زمین کو تر کر دیا ہے

اداریے میں آپ کا قلم محض روشنائی سے نہیں، بلکہ بصیرت اور قوم کے سچّے درد کے لہو سے تر دکھائی دیتا ہے۔ "جیل سے باعزت بری ہونے والے مظلوموں کی پکار" کا عنوان پڑھتے ہی دل کی دھڑکنیں جیسے تھم سی گئیں۔ ناکردہ گناہوں کی پاداش میں اپنی جوانی کے قیمتی سال سلاخوں کے پیچھے گلا دینے والے مظلوموں کا تذکرہ اس انداز میں کیا گیا ہے کہ شیشۂ دل پر بال پڑ جاتے ہیں۔

مطالعۂ رضویات اور فکر و نظر کے گوشوں میں جب نگاہ دوڑائی تو علمی جولانیوں اور فکری تابانیوں کے دھنک رنگ جلوے دکھائی دیے۔ امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا قدس سرہ کے فکری و فقہی افق پر علامہ محمد احمد مصباحی کا تطفلات والا تحقیقی مقالہ ہو یا مولانا کوثر امام قادری کی تحریر، قلم کی متانت اور زور استدلال نے قلب و نظر کو جلا بخشی۔ اسی طرح مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی کا فکری مکالمہ عصر حاضر میں علمائے اہل سنت کی سیاسی و سماجی سمت کا ایک باوقار اور متوازن خاکہ پیش کرتا ہے، اور ابرار احمد صاحب کا عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کی رواداری پر تحقیقی جائزہ تاریخی سچائیوں کا ایک روشن شیشہ ہے۔

جب کہ حضور حجۃ الاسلام علامہ الشاہ محمد حامد رضا قادری علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری کا باقاعدہ مطالعہ و جائزہ ایک علمی و تحقیقی مقالے اور نثری مضمون کی شکل میں مولانا محمد قمر الزماں مصباحی (ڈائریکٹر ادارہ لوح و قلم، مظفر پور) نے تحریر فرمایا ہے، جو شمارے کے صفحہ نمبر 40 پر مطالعۂ رضویات کے تحت شامل ہے۔

سوشل میڈیا کے در پن اور تعلیمی و معاشی مسائل پر احمد رضا صابری صاحب اور غلام مصطفیٰ نعیمی صاحب کے مضامین نے جریدے کی عصری معنویت کو دوبالا کر دیا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ الرضا انٹرنیشنل کا یہ شمارہ محض کاغذ کا اک مجموعہ نہیں، بلکہ علم و ادب اور حق گوئی کی ایک ایسی قندیل ہے جو گمراہی و تاریکی کے اس دور میں مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔ اللہ رب العزت اس مجلّے کے وقار میں مزید اضافہ فرمائے اور مجلس ادارت کی ان مخلصانہ کاوشوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

□□□

فکرِ رضا کا علمی و تحقیقی ترجمان

انیس الرحمن حنفی رضوی بہرائچ شریف، پرنسپل جامعہ رضویہ زینت العلوم سرس کھیڑا ضلع مرادآبادی

آج کا دور فکری انتشار، اعتقادی لغزشوں، علمی سطحیت اور تہذیبی یلغار کا دور ہے۔ ایسے نازک حالات میں وہ رسائل و جرائد جو محض معلومات کی فراہمی تک محدود نہ رہیں بلکہ امت کی فکری رہنمائی، علمی تربیت اور دینی شعور کی آبیاری کا فریضہ بھی انجام دیں، یقیناً ملتِ اسلامیہ کا عظیم سرمایہ ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں اہلِ حق نے اپنی دعوت، فکر اور علمی وراثت کی حفاظت و اشاعت کے لیے قلم کو ہتھیار بنایا، اور یہی قلم جب اخلاص، تحقیق اور بصیرت کے ساتھ حرکت میں آیا تو اس نے نسلوں کی فکری تعمیر کی۔

الحمدللہ، الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ انہی معدودے چند معیاری علمی و تحقیقی مجلّات میں شامل ہے، جنہوں نے اپنی منفرد شناخت محض خوبصورت طباعت یا متنوع مضامین کی بنیاد پر نہیں بلکہ مضبوط علمی معیار، تحقیقی وقار، اعتدالِ فکر اور مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کی صحیح

ترجمانی کے ذریعے قائم کی ہے۔

راقم کو الرضا انٹرنیشنل کے متعدد شماروں کے مسلسل مطالعہ کا موقع ملا، اور ہر شمارہ اس حقیقت کا آئینہ دار نظر آیا کہ اس کی اشاعت کسی وقتی جذبے یا رسمی اداری سرگرمی کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک زندہ علمی و دعوتی مشن کا حصہ ہے۔ ہر شمارے میں شامل مضامین، اداریے، تحقیقی مقالات، فقہی مباحث، اعتقادی مقالات، سیرت و تاریخ پر گراں قدر تحقیقات اور معاصر فکری مسائل پر نہایت متوازن اور مدلل گفتگو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اس مجلہ کے پس منظر میں سنجیدہ اہلِ علم کی اجتماعی فکر اور مخلصانہ محنت کارفرما ہے۔

بالخصوص محب گرامی وقار حضرت علامہ ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب قبلہ، مدیرِ اعلیٰ، کا ذکر کیے بغیر الرضا انٹرنیشنل کا تعارف مکمل نہیں ہوسکتا۔ آپ کی علمی بصیرت، تحقیقی ذوق، وسیع مطالعہ، غیر معمولی اداری صلاحیت اور فکرِ رضا سے والہانہ وابستگی اس مجلہ کے ہر صفحے سے نمایاں ہوتی ہے۔ آپ کا اداریہ ہمیشہ شمارے کا مرکزی حسن اور فکری محور محسوس ہوتا ہے۔ معاصر حالات کا باریک بینی سے تجزیہ، علمی استدلال، تاریخی شعور اور امت کے لیے مخلصانہ خیر خواہی آپ کی تحریروں کا نمایاں وصف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری اداریہ کو محض رسمی افتتاحیہ نہیں بلکہ ایک مستقل علمی مقالہ کی حیثیت سے پڑھتا ہے۔

الرضا انٹرنیشنل کی ایک نہایت قابلِ قدر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایسے جلیل القدر علماء، محققین، مفتیانِ کرام، مصنفین اور اہلِ قلم کی نگارشات شامل ہوتی ہیں جن کی علمی خدمات اہلِ علم کے نزدیک مسلم ہیں۔ قرآن و حدیث، فقہ، عقائد، سیرت، تاریخ، تصوف، دعوت و اصلاح اور عصری فکری مسائل جیسے متنوع موضوعات پر مشتمل تحقیقی مضامین قاری کے علم میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے فکر و نظر کو بھی جلا بخشتے ہیں۔ اختلافی مسائل میں بھی مجلہ کا اسلوب شائستگی، تحقیق اور مضبوط دلائل پر قائم نظر آتا ہے، جو اس کی علمی سنجیدگی کا مظہر ہے۔

مجھے سب سے زیادہ جس چیز نے متاثر کیا، وہ یہ ہے کہ الرضا انٹرنیشنل نے اپنے صفحات کو محض تحریروں کے مجموعے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک فکری و اصلاحی تحریک کی صورت عطا کی ہے۔ اس کا ہر شمارہ اہلِ سنت کے علمی ورثے کی حفاظت، نئی نسل کی فکری تربیت، مدارس و جامعات کے علمی ماحول کی تقویت اور امت کے اجتماعی شعور کی بیداری میں اپنا مؤثر کردار ادا کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مطالعہ ختم ہونے کے بعد بھی اس کے مضامین ذہن میں دیر تک گردش کرتے رہتے ہیں۔

مجلہ کی ظاہری خوبصورتی بھی اس کے باطنی حسن کے شایانِ شان ہے۔ عمدہ کاغذ، نفیس طباعت، خوبصورت سرورق، معیاری کتابت، متوازن ترتیب اور پروف کی صفائی اس بات کا ثبوت ہے کہ مدیران نے علمی معیار کے ساتھ اشاعتی معیار پر بھی کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ بلاشبہ یہ ایک ایسا مجلہ ہے جسے دیکھ کر بھی خوشی ہوتی ہے اور پڑھ کر بھی علمی تشنگی دور ہوتی ہے۔

□□□

اداریہ کا پیغام قابلِ توجہ ہے

مفتی محمد رضا قادری:
قاضی شریعت اداریہ شرعیہ موتیہاری بہار

ماہ نامہ ''الرّضا'' کا زیرِ مطالعہ شمارہ اس حقیقت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ ایک دینی و علمی رسالے کی افادیت محض مضامین کی اشاعت تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنے عہد کے علمی، سماجی، دینی اور فکری مسائل کو سمجھنے اور ان کے بارے میں سنجیدہ شعور پیدا کرنے کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ ''الرّضا'' کے اس شمارے میں علمی تحقیق، رضویات، فقہی رہنمائی، فکری مباحث اور سوشل میڈیا کے اثرات جیسے مختلف موضوعات کو جگہ دے کر اس وسعتِ نظر کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس شمارے کا اداریہ بالخصوص توجہ طلب ہے۔ اس کا عنوان ہے: **''جیل سے باعزت بری ہونے والے مظلوموں کی پکار''**، اور اس کے ساتھ یہ مطالبہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ حکومت ایسا قانون بنائے جس کے ذریعے بے گناہوں کو پھنسانے والوں کو سزا دی جا سکے۔ اداریے کا موضوع ایک ایسے انسانی المیے سے متعلق ہے جس میں کسی شخص کی آزادی، عزت، خاندان اور مستقبل برسوں تک مقدمات اور قید کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مضمون میں ان افراد کے دکھ کو نمایاں کیا گیا ہے جو طویل عرصے تک جیل میں رہنے کے بعد بے گناہ قرار پاتے ہیں، لیکن ان کی زندگی کے ضائع شدہ سال واپس نہیں آ سکتے۔

اداریے کا یہ مرکزی پیغام قابلِ توجہ ہے کہ انصاف کا تقاضا صرف بے گناہ کو رہا کر دینا نہیں، بلکہ اس نقصان کا احساس اور ازالہ بھی ہے جو اس کی زندگی میں ہو چکا ہوتا ہے۔ کسی بے قصور شخص کی گرفتاری، طویل قید اور بعد ازاں رہائی کو محض ایک عدالتی کارروائی سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے خاندان کی معاشی مشکلات، بچوں کی تعلیم، سماجی عزت اور ذہنی اذیت بھی اسی معاملے کے اہم پہلو ہیں۔ اس اعتبار سے اداریہ دینی صحافت کو محض مذہبی موضوعات تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ عدل، انسانی وقار اور سماجی ذمہ داری جیسے بنیادی سوالات سے بھی جوڑتا ہے۔

اس شمارے کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں ''آپ کا سوال'' کے تحت علمی و فقہی رہنمائی کا سلسلہ بھی شامل ہے۔ اس کالم میں ''عزتِ نفس'' اور ''دوسرے بالخصوص معالم'' کے عنوان سے متعلق سوال کو تحقیق و تفہیم کے دائرے میں پیش کیا گیا ہے۔ ایسے کالم کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ قارئین کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات کو نظر انداز کرنے کے بجائے انہیں علمی انداز میں زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ دینی رسالے کا یہ کردار نہایت اہم ہے کہ وہ سوال کرنے والے کو محض جواب نہ دے، بلکہ مسئلے کو سمجھنے اور صحیح علمی رہنمائی تک پہنچنے کا راستہ بھی دکھائے۔

''مطالعۂ رضویات'' اس شمارے کا ایک اہم علمی حصہ ہے۔ فہرستِ مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت، علمی خدمات، فقہی و تحقیقی کارناموں اور ان کے علمی ورثے کے مختلف پہلوؤں پر متعدد مضامین شامل ہیں۔ رضویات کے موضوع پر اس نوع کی مسلسل تحریریں اس بات کی ضرورت پوری کرتی ہیں کہ امام احمد رضا کی خدمات کو صرف عقیدت کے اظہار تک محدود نہ رکھا جائے، بلکہ ان کی تصنیفی، تحقیقی، فقہی اور فکری میراث کو علمی مطالعے کا موضوع بنایا جائے۔ کسی علمی شخصیت سے حقیقی استفادے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کے افکار و خدمات کو اصل علمی تناظر میں سمجھا جائے اور نئی نسل کے سامنے معتبر انداز میں پیش کیا جائے۔

سوشل میڈیا کالم بھی اس شمارے کی قابلِ ذکر جہت ہے۔ اس میں مدارس، تعلیمی سرگرمیوں، دینی ماحول اور موجودہ سماجی مسائل سے متعلق موضوعات شامل ہیں۔ آج سوشل میڈیا صرف تفریح یا رابطے کا وسیلہ نہیں رہا، بلکہ یہ رائے سازی، دینی معلومات کی ترسیل، تعلیمی شعور اور سماجی رویوں پر اثر انداز ہونے والا ایک اہم ذریعہ بن چکا ہے۔ ایسے حالات میں دینی رسالے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس میدان کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کا جائزہ لے اور قارئین کو ذمہ دارانہ استعمال کی طرف متوجہ کرے۔

مجموعی طور پر ''الرّضا'' کا یہ شمارہ علمی روایت اور عصرِ حاضر کی ضرورتوں کے درمیان رابطہ قائم کرنے کی ایک قابلِ قدر کوشش ہے۔ اداریے میں انصاف اور انسانی وقار کا مسئلہ، ''آپ کا سوال'' میں علمی رہنمائی، ''مطالعۂ رضویات'' میں امام احمد رضا کی علمی میراث اور سوشل میڈیا کالم میں موجودہ معاشرتی و تعلیمی صورتِ حال بیان کر یہ سب مل کر رسالے کے متنوع موضوعاتی دائرے کو نمایاں کرتے ہیں۔

امید ہے کہ ادارہ اسی ذوقِ تحقیق، وسعتِ مطالعہ اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اپنے علمی وصحافتی سفر کو آگے بڑھاتا رہے گا۔

□□□

الرضا رضویات کا قابل فخر واعتماد ترجمان

■ ڈاکٹر ذاکر حسین رضوی:
بانی جامعہ حضرت مجاہد ملت، گیا

ماہ نامہ ''الرّضا'' کا زیرِ نظر شمارہ آن لائن دستیاب ہوا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی۔ اس رسالہ میں علمی و دینی موضوعات کے ساتھ سماجی انصاف، فقہی سوالات، رضویات اور سوشل میڈیا جیسے متنوع مباحث کو یکجا کیا گیا ہے۔ یہ تنوع کسی علمی رسالے کے لیے محض ظاہری خوبی نہیں، بلکہ اس بات کا امکان بھی پیدا کرتا ہے کہ وہ مختلف ذہنی وعلمی ضرورت رکھنے والے قارئین سے رابطہ قائم کر سکے۔ ایک رسالہ جب اپنے صفحات میں تحقیق، سوال، تبصرہ اور سماجی شعور کو جگہ دیتا ہے تو اس کا دائرۂ اثر وسیع ہوتا ہے۔

اس شمارے کا اداریہ ''جیل سے باعزت بری ہونے والے مظلوموں کی پکار بہت اہم ہے۔ اداریے میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ بے گناہوں کو پھنسانے والوں کے خلاف مؤثر قانونی کارروائی کا راستہ اختیار کیا جائے۔ یہ مطالبہ اس بنیادی اصول کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ انصاف کا نظام صرف ملزم کے جرم یا بے گناہی کے فیصلے تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ جھوٹے الزام اور غلط کارروائی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نقصان کو بھی سنجیدگی سے دیکھنا چاہیے۔

اس اداریے کی روشنی میں ''الرّضا'' کے ادارتی کردار کا ایک اہم پہلو سامنے آتا ہے: دینی رسالہ اپنے مذہبی وعلمی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرتی مسائل پر بھی گفتگو کر سکتا ہے۔ علمی و دینی صحافت کا مقصد صرف معلومات فراہم کرنا نہیں، بلکہ قاری میں انصاف، ذمہ داری اور انسانی ہمدردی کا احساس بیدار کرنا بھی ہے۔ البتہ اس نوع کے مضامین میں مستند واقعات، درست اعداد و شمار اور قانونی حوالوں کی فراہمی سے استدلال مزید مضبوط ہو سکتا ہے، تاکہ جذباتی اثر کے ساتھ تحقیقی اعتبار بھی قائم رہے۔

''آپ کا سوال'' کالم رسالے کی دوسری اہم جہت ہے۔ ''مطالعۂ رضویات'' کے تحت شامل مضامین اس شمارے کے علمی تشخص کو مضبوط کرتے ہیں۔ فہرستِ مضامین میں امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت، ان کے علمی وفقہی کارناموں اور ان کی تصنیفی میراث کے مختلف پہلوؤں پر متعدد تحریریں موجود ہیں۔ رضویات کے موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ امام احمد رضا کی علمی خدمات کو صرف معروف عنوانات تک محدود نہ رکھیں، بلکہ ان کے علمی منہج، استدلال، مصادر، تصنیفات اور ان کے عہد کے علمی ماحول کا بھی مطالعہ کریں۔ اس طرح رضویات کا دائرہ محض تعارف وتذکرہ سے آگے بڑھ کر تحقیقی مطالعے کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔

سوشل میڈیا کالم اس شمارے کی ایک جدید اور ضروری جہت ہے۔ اس میں مدارس، دینی تعلیم، سماجی وتعلیمی مسائل اور موجودہ حالات سے متعلق موضوعات شامل ہیں۔ آج دینی اداروں کو محض روایتی ذرائع ابلاغ پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے؛ انہیں یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ نوجوان نسل تک علمی مواد کس انداز میں پہنچتا ہے، کون سی معلومات تیزی سے پھیلتی ہیں اور غلط یا نامکمل معلومات کے اثرات کس طرح مرتب ہوتے ہیں۔ سوشل میڈیا کا ذمہ دارانہ استعمال دینی تعلیم، علمی مکالمے اور ادارہ جاتی سرگرمیوں کی بہتر ترسیل میں مدد دے سکتا ہے۔

□□□

الرضا انٹرنیشنل کا ایک علمی فقہی سلسلہ ''آپ کا سوال''

فتاوی رضویہ کی ایک عبارت پر اعتراض کا جواب

جوابات: مناظر اہل سنت فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدظلہ
بانی وسربراہ: جامعہ نوریہ شام پور، رائے گنج، بنگال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور استاذی فقیہ النفس مدظلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!

کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ''حفظ الایمان'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دی تو اعلی حضرت نے اسے توہین مان کر اس کی تکفیر کی۔ اور حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے دجال کے سونے کی حالت میں دل کے بیدار رہنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی حالت میں دل کے بیدار رہنے سے تشبیہ دی ہے۔ تو ان کی تکفیر تو کیا کرتے؟ ان کے لیے رحمہ اللہ تعالی کہا، اور صرف ''ثقلت هذه الكاف علي'' [یہ کاف (حرف تشبیہ) مجھ پر گراں ہے'' کہنے پر اکتفا فرمایا، جیسا کہ فتاوی رضویہ مترجم، ج:۱، ص:۴۲۹، ۴۳۰ میں ہے:

قال القاری :قال القاضی رحمهما الله تعالی: ای لاتنقطع افکاره الفاسدة عنه عند النوم لکثرة وساوسه وتخیلاته وتواترما یلقی الشیطان الیه، کمالم یکن ینام قلب النبی صلی الله تعالی علیه وسلم من افکاره الصالحة بسبب ماتوا تر علیه من الوحی والالهام اهـ اقول: لقد ثقلت هذه الکاف علی۔

ترجمہ: قاری نے قاضی سے نقل کیا ہے کہ سوتے وقت دجال کا دل اس لیے بیدا رر ہے گا کہ افکار فاسدہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گی؛ کیوں کہ شیطان مسلسل اس کی طرف اپنے وساوس پہنچاتا رہے گا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک افکار صالحہ میں مشغول رہنے کی وجہ سے نہیں سوتا تھا؛ کیوں کہ وحی والہام کا نزول تواتر کے ساتھ ہوتا رہتا تھا، انتہی۔ میں کہتا ہوں : یہ ''کاف'' (حرف تشبیہ) مجھ پر گراں ہے۔

آخر یہ تفریق کیوں؟

اس لیے حضور والا سے گذارش ہے جواب باصواب سے نوازا جائے۔

خادم

(مولانا) مسترشد القادری۔ کلکتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بتوفیق اللہ الوھاب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عربی زبان میں تشبیہ کے لیے جس طرح لفظ ''کاف'' آتا ہے، اسی طرح لفظ ''مثل'' بھی۔ مگر علما نے دونوں میں فرق بتایا ہے اور فرق بتانے میں مختلف الرائے ہو گئے ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ ''کاف'' ''مشبہ اور مشبہ بہ کے اندر صرف ''وجہ شبہ'' میں مشارکت کا مقتضی ہے چاہے تفاوت کے ساتھ ہی سہی۔ اور ''مثل'' برابری کے ساتھ اشتراک کا مقتضی ہے اس طرح کہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہو سکے۔

بحر الرائق، ج:۱، ص:۵۸۴ میں ہے:

لان المشبه به لایلزم ان یکون اعلی من المشبه او مساویا بل قدیکون ادنی مثل قوله تعالی: مثل نوره کمشکوٰة (النور: ۳۵) وسبب وقوعه کون المشبه

به مشهوراً فهومن باب الحاق غیرالمشهور بالمشهور لاالناقص بالکامل۔

ترجمہ:مشبّہ بہ کامشبّہ سے اعلیٰ یامساوی ہوناضروری نہیں ہے بلکہ کبھی ادنی بھی ہوتاہے ،جیسے سورۂ نورکی پینتیسویں آیت میں ہے:''اللہ کےنورکی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویاایک ستارہ ہے موتی ساچمکتاروشن ہوتاہے''۔''خداکےنور'' کو''طاق کےنور'' سےتشبیہ اس لیےدی گئی ہے کہ مشبہ بہ مشہورہےتویہ غیرمشہورکومشہورسے ملحق کرنے کے باب سے ہوا، ناقص کوکامل سے الحاق کرنے کے باب سےنہیں۔

شامی،ج:۱،ص:۳۴۵میں ہے:

فان المشبه به قدیکون مساویاللمشبه اوادنی منه لکنه یکون اوضح لکونه حسیامشاهداًاولکونه مشهوراً فی وجه الشبه فالاول نحومثل نوره کمشکاة۔ و این یقع نورالمشکاة من نوره تعالی! والثانی کماهنا(ای:فی الصلاة الابراهیمی)۔

[مشبہ بہ کبھی مشبہ کامساوی یامشبہ سے ادنی بھی ہوتاہےمگرواضح ترہوتاہے کیوں کہ وہ حساً مشاہدہوتاہے یاوجہ شبہ میں مشہورہوتاہے۔حساًواضح ترہونے کی مثال ''نورہ کمشکاة'' ہے۔ورنہ کہاں نورمشکاۃ اورکہاں نورالٰہی! مشہورہونے کی مثال درودابراہیمی میں کماصلیت علی ابراهیم ہے۔]

درمختار،کتاب الطلاق،باب الصریح میں ہے:

لان الکاف للتشبیه فی الذات ومثل للتشبیه فی الصفات ولذاقال ابوحنیفة:ایمانی کایمان جبریل لامثل ایمان جبریل۔

[حرف کاف ذات میں تشبیہ کوبتاتاہے اورلفظ مثل صفات میں تشبیہ کواسی لیے امام اعظم نے فرمایاہے:''ایمانی کایمان جبریل،لامثل ایمان جبریل[میراایمان جبریل کےایمان کی طرح ہے،جبریل کےایمان کےمثل نہیں۔]

بحرالرائق،ج:۳،ص:۴۹۹میں ہے:

فقدفرقواهنابین الکاف ومثل، بناء علی ان الکاف للتشبیه فی الذات ومثلاًللتشبیه فی الصفات ،ولذانقل عن الامام الاعظم رضی الله عنه انه قال:ایمانی کایمان جبریل علیه السلام ولااقول: ایمانی مثل ایمان جبریل صلوات الله علیه وسلامه۔

[فقہانے یہاں''کاف''اور''مثل'' کےدرمیان فرق ملحوظ رکھاہے؛کیوں کہ''کاف''ذات میں تشبیہ کوبتاتاہے اور''مثل''صفات میں تشبیہ کو۔اسی لیےامام اعظم رضی اللہ عنہ سےمنقول ہے کہ آپ نےفرمایا:میراایمان جبریل علیہ السلام کے ایمان کی طرح ہے ۔یہ نہیں کہتاکہ میراایمان جبریل صلوات اللہ علیہ وسلامہ کےمثل ہے۔]

شرح عقائدنسفی،ص۳۵میں ہے:

قدصرح بان المماثلة عندنانمایثبت بالاشتراک فی جمیع الاوصاف حتی لواختلفافی وصف واحدانتفت المماثلة وقال الشیخ ابوالمعین فی التبصرة انانجداهل اللغة لایمتنعون من القول بان زیدامثل لعمروفی الفقه اذاکان یساویه فیه ویسدمسده فی ذلک الباب وان کانت بینهمامخالفة بوجوه کثیرة۔

[اس کی صراحت ہے کہ مماثلت ہمارےنزدیک تمام اوصاف میں اشتراک سےثابت ہوتی ہے یہاں تک کہ ایک وصف میں بھی اختلاف ہوتومماثلت نہیں ہوگی ۔شیخ ابوالمعین نے''تبصرہ'' میں فرمایاہے:ہم دیکھتے ہیں کہ زیدوعمرو کےدرمیان بہت سے وجوہ میں فرق کےباوجود فقہ میں مساوی اورایک دوسرے کے قائم مقام ہوں تو ارباب لغت کہتے ہیں کہ زیدفقہ میں عمروکےمثل ہیں۔]

فتاوی حدیثیہ،ص:۱۹۳میں ہے:

الشبیه والمثیل والنظیرمتحدة لغة۔ واماإصطلاحاً فظاهرقول شرح العقائد عن

الاشعرية المماثلة انماتثبت عندهم بالاشتراک فی جمیع الاوصاف ان المثیل اخصها؛لان المماثلةتستلزم المشابهةوزیادة،والشبیهاعممن المثیل واخص من النظیر،والنظیراعم من الشبیه ؛اذالمشابهة لاتستلزم المماثلة فقدیکون شبه الشئ غیرمماثل له، والنظیر قدلایکون مشابها۔ والحاصل ان المماثلة تقتضی المساواة من کل وجه ،والمشابهة تقتضی ذلک فی الاکثر،والمناظرةتکفی فی وجه۔

[لغت میں شبیہ،مثیل اورنظیرہم معنی ہیں۔اصطلاحی اعتبارسے شرح عقائدمیں اشاعرہ کے حوالے سے جوکہا گیاہے اس سے ظاہریہ ہوتاہے کہ مماثلت ان حضرات کے نزدیک تمام اوصاف میں اشتراک سے ثابت ہوتی ہے تومثیل اخص ہوئی ؛کیوں کہ مماثلت میں مشابہت کے استلزام کے ساتھ زیادتی بھی ہوتی ہے۔ شبیہ مثیل سے اعم،نظیر سے اخص ہے۔اورنظیر شبیہ سے اعم ہے؛کیوں کہ مشابہت مماثلت کومستلزم نہیں ہوتی ہے ؛بسااوقات شئے کی شبیہ اس کی مماثل نہیں ہوتی، اورنظیر کبھی مشابہ بھی نہیں ہوتی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ مماثلت ہر طورسے مساوات چاہتی ہے اورمشابہت اکثر چیزوں میں مساوات کی مقتضی ہوتی ہے اورمناظرت کسی ایک چیز میں مساوات چاہتی ہے۔]

جدالممتار،ج:۵،ص:۹۷میں ہے:

اقول :لیس المعنی ان "الکاف" للتشبیه فی نفس الذات ،و"المثل" للتشبیه فی الصفات الزائدات ،والاورد:"زیدکالاسد"، بل المعنی ان "الکاف" یقتضی تشبیه الذات بالذات ولوفی صفة،بخلاف "مثل"ففی الصفات کلها۔ قال القاری فی"منح الروض"ص:۱۶۴/۳۸۶بحث "الایمان لایزید ولاینقص":روی عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی انه قال:ایمانی کایمان جبریل علیه الصلاة والسلام ولااقول:مثل ایمان جبریل؛لان المثلیة تقتضی المساواة فی کل الصفات ،والتشبیه یکفی له المساواة فی بعضه اهـ ۔۔۔ثم الحق ان "مثل"ایضاً لایقتضی المساواة فی جمیع الصفات ،بل فیمابه التماثل ،کماحققه فی "شرح المقاصد"من ابحاث الکثرة ،وفی شرح العقائد"تحت قوله:"لایشبهه شئ " وانما الفرق بین "الکاف" و"مثل"ان "الکاف"یقتضی المشارکة فی وجه الشبه ولومع التفاوت ،و"مثل"یقتضی الشرکة فیمابه التماثل علی وجه التساوی فی ذلک الشئ من کل وجه ،ای:بحیث یسدا حدهمامسدالآخر۔

ترجمہ:میں کہتاہوں:یہ مطلب نہیں ہے کہ "کاف" نفس ذات میں تشبیہ کے لیے ہے اور"مثل"صفات زائدہ میں تشبیہ کے لیے ہے ،ایساہوتو"زیدکالاسد" سے اعتراض پڑے گا۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ "کاف"ذات سے ذات کی تشبیہ کے لیے ہے چاہے ایک ہی صفت میں کیوں نہ ہو۔اس کے برخلاف "مثل"تمام صفات میں تشبیہ کے لیے ہے،جیسا کہ ملاعلی قاری نے"منح الروض، ص: ۱۶۴/ ۳۸۶ بحث "الایمان لایزید ولاینقص" میں کہاہے:امام اعظم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:"میراایمان جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کے ایمان کی طرح ہے،جبریل کے ایمان کے مثل نہیں" کیوں کہ مثلیت تمام صفات میں مساوات کو چاہتی ہے،اورتشبیہ بعض صفات میں مساوات کو۔انتہی۔۔۔۔پھرحق یہ ہے کہ "مثل" بھی تمام صفات میں مساوات کا مقتضی نہیں ہے بلکہ صرف اسی صفت میں،جس میں تماثل ہے جیسا کہ "شرح مقاصد،بحث کثرت"میں اور"شرح عقائد" میں "لایشبهه شئ" کے تحت اس کی تحقیق فرمائی گئی ہے ۔الغرض !"کاف" اور"مثل"میں فرق یہ ہے کہ "کاف" صرف "وجہ شبہ" میں مشارکت کی مقتضی ہے چاہے تفاوت کے ساتھ ہی سہی

۔اور ''مثل'' برابری کے ساتھ اشتراک کا مقتضی ہے اس طرح کہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہو سکے۔

جب یہ بات محقق ہوگئی کہ'' کاف'' کے ذریعہ تشبیہ دینے میں'' وجہ شبہ'' کامشبہ اورمشبہ بہ دونوں میں برابر ہوناضروری نہیں۔اور''مثل'' کے ذریعہ تشبیہ دینے میں وجہِ مماثلت ،ممثل اورممثل لہ دونوں کے اندراس طرح برابری ہوتی ہے کہ ایک ،دسرے کے قائم مقام ہو سکے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی تشبیہ میں کسی تفاوت کے بغیر برابری ہے؛چنان چہ تھانوی صاحب کی عبارت ہے:

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تواس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔الخ

اور بعضیت چوں کہ کیفیت نہیں کمّیت ہے، اس لیے معنی یہ ہوئے کہ حضور عالم ماکان وما یکون صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ہی علم ہے جتنا جمیع حیونات وبہائم کو ۔دوسرے لفظوں میں بچوں، پاگلوں اور جانوروں کے علم کسی تفاوت کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے برابر ہیں۔معاذ اللہ رب العالمین!

اسی لیے دیوبندی فاضل مرتضی حسن صاحب نے'' توضیح البیان ''مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند میں لکھا:

''اس[''ایسا''] کے معنی''اس قدر''اور''اتنا'' کے بھی آتے ہیں جو اس جگہ [یعنی حفظ الایمان میں] متعین ہیں''(ص:۸)

''عبارت متنازع فیہا میں لفظ''ایسا'' بہ معنی''اس قدر'' اور''اتنا'' ہے۔''(ص:۱۷)

فاضل دیوبند مولانا منظور سنبھلی کی'' فتح بریلی کا دلکش نظارہ ''میں ہے:

''حفظ الایمان کی اس عبارت میں بھی''ایسا''''اتنا'' کے معنی میں ہے۔''(ص:۳۲)

''حفظ الایمان کی عبارت میں وہ [یعنی لفظ'' ایسا''] ''اتنا'' کے معنی میں ہے۔''(ص:۴۰)

''حفظ الایمان کی عبارت میں وہ [یعنی لفظ'' ایسا''] ''اتنا'' کے معنی میں مستعمل ہے۔''(ص:۴۸)

اس لیے حفظ الایمان کی عبارت میں توہین متعین ہے۔اور حضور صاحب عزّ وجاہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا مسلمان نہیں۔

اس کے برخلاف علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ کی تشبیہ چوں کہ بذریعہ ''کاف'' ہے ، اس لیے اس میں برابری نہیں ہے۔ پھر انہوں نے صراحت بھی فرمادی ہے کہ دجال کا دل بیدار رہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ افکار فاسدہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گی ؛ کیوں کہ شیطان مسلسل اس کی طرف اپنے وساوس پہنچاتا رہے گا، اور حضور رقیبِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک قلب افکار صالحہ میں مشغول رہتا تھا ؛ کیوں کہ وحی والہام کا نزول تواتر کے ساتھ ہوتا رہتا تھا۔فاتضح الفرق ووضح المراد۔اسلیے اس میں معاذ اللہ! ہرگز توہین نہیں۔

علامہ فاسی علیہ الرحمہ نے مطالع المسرات ،ص: ۲۰۸ میں فرمایا ہے:

وقداختلف العلماء فی جواز اطلاق الموھم عندمن لایتوھم به اوکان سھل التاویل واضح المحل اوتخصص بطرق الاستعمال فی معنی صحیح،وقداختار جماعةمن العلماءالخ

ترجمہ: علما کے درمیان اختلاف ہے کہ موہم لفظ کا اطلاق ایسے لوگوں کے سامنے جن کو ایہام نہ ہو، یا لفظ موہم سہل التاویل واضح المحل ہو، یا طرق استعمال میں صحیح معنی کے لیے خاص ہوگیا ہو، جائز ہے یا نہیں؟ علما کی ایک جماعت نے اسے اختیار کیا ہے۔

مگر اس کے باوجود امام احمد رضا کے عشق رسالت کو یہ گوارا نہیں ہوا، اور انہوں نے ارشاد فرمایا:

اقول:لقدثقلت هذه الكاف علی۔[میں کہتا ہوں :یہ ''کاف''(حرف تشبیہ) مجھ پر گراں ہے۔''

واللہ تعالی اعلم واحکم

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

□□□

تنقید کا عملی شعور اور قرآن کی تعلیمات

ڈاکٹر محمد حبیب الرحمن (علیگ)
پروفیسر علامہ اقبال کالج بہار شریف

کسی بھی ادبی تخلیق کو پرکھنے کا نام ادبی تنقید ہے۔ تنقید سے ادب پارے کے محاسن و معائب سامنے آتے ہیں اور کھرا کھوٹے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اس طرح ناقد کی ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے۔ کوئی فن پارہ اگر ناقد کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے تو گویا فنکار اپنے افکار کی ترسیل سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ ناقد ہی ہے جو فن پارے کے اندر بسا اوقات ایسے نکات کا انکشاف کرتا ہے جن کی طرف خود فنکار پہلی بار متوجہ ہوتا ہے۔ یعنی ناقد ان کی مخفی گوشوں کی نشاندہی کرتا ہے جو تخلیق عمل کے دوران خود تخلیق کار کے وہم و گمان سے پرے ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ناقد ہمیشہ تخلیق کار سے دو قدم آگے ہوتا ہے۔

ادب و تنقید کے حوالے سے ایک بات اور قابل غور ہے کہ تخلیق پر تنقید کی ضرورت آخر کیوں پیش آتی ہے، اور یہ کہ کیا فن پارے کو پرکھنے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے یا اس کے لئے کسی خاص مہارت کی ضرورت ہے۔ اس حوالے سے عربی تنقید کے پیمانے وضع ہونے کے ابتدائی زمانے کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کرنا بے محل نہ ہوگا، کیوں کہ تنقید خواہ کسی زبان کی ہو، اس کا نصب العین آج بھی بعینہ وہی ہے جو پہلے تھا۔ عربی زبان و ادب کے مشہور تاریخ نگار ابن سلام الجمحی (م 232ھ/ 847ء) نے اپنی کتاب طبقات الشعراء میں خلف الاحمر کا ایک قول یوں نقل کیا ہے: ''خلف سے کسی نے کہا کہ جب میں ایک شعر سنتا ہوں اور اس کو پسند کرتا ہوں تو پھر مجھے کیا ضرورت ہے کہ جو تم کہتے ہو یا تمہارے ساتھی کہتے ہیں اس کی پروا کروں''۔ خلف نے جو اس کا جواب دیا وہی اس گفتگو کا ماحصل ہے۔ اس نے کہا: ''اگر تم کو ایک درہم ملے اور وہ تم کو پسند آئے لیکن ایک صراف اسکو دیکھ کر کہے کہ کھوٹا ہے تو پھر تمہاری پسند تمہیں کیا فائدہ پہنچائے گی''۔ گویا ناقد وہی فریضہ انجام دیتا ہے جو ایک صراف یا جوہری درہم و دنانیر یا اس قبیل کے دوسرے قیمتی جواہرات کو اپنے خراد پر چڑھا کر کرتا ہے۔ یعنی جوہری درہم و دینار میں سے کھرے کو کھوٹے سے الگ کرتا ہے اور ناقد تخلیقات میں سے ردی کو جید سے ممتاز بناتا ہے۔ چنانچہ تنقید کا عمل ہر کس و ناکس کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ایک خاص ذوق سلیم کی ضرورت ہے جو وافر علم اور مشق و ممارست سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو صحیح نظر اور ذوق سلیم پیدا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ادب انسان زندگی کا اٹوٹ حصہ ہے اسی طرح تنقید بھی اس کی تہذیب کا تلازمہ ہے۔ ادب زندگی کی تعمیر و تشکیل میں جو کردار ادا کرتا ہے تنقید بھی تہذیب کے تراش و خراش میں وہی ذمہ داری نبھاتا ہے۔ اسی لئے یہ امر مسلم ہے کہ جس قوم کا تنقیدی شعور جس قدر بیدار اور بالیدہ رہا ہے اس کے تہذیبی و ثقافتی عناصر بھی اسی قدر پائیدار اور ترقی یافتہ رہے ہیں۔ ہر زبان میں تنقید کے کچھ اصول و نظریات موجود ہیں جن کی روشنی میں کسی ادب پارے کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ چونکہ ادب کے سلسلے میں دو نظریات شروع سے ہی رائج ہیں اس لئے تنقید کی جولانگاہ بھی ہم انہیں نظریات کے اردگرد پاتے ہیں۔ ادب کے حوالے سے کے ایک نظروہ ہے جو اس کی زندگی کی تفسیر بتاتا ہے اور انسان معاشرے کی تشکیل میں غیر معمولی کردار ادا کرتا ہے۔ اس نظریہ کے تحت فن تخلیق کرنے والے ادب کو انسانی زندگی میں اعلیٰ اقدار کو نافذ کرنے اور اس کی اخلاقی تربیت

کرنے کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ اس قبیل کے ادبا ادب برائے زندگی کے علمبردار کہلائے لیکن جن لوگوں نے ادب برائے ادب کے نظریہ کو سامنے رکھ کر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا انہوں نے لذتیت کو ادب کا مرکزی خیال قرار دیا۔ ان کے مطابق ادب اگر جذبات کو ابھر کر خیالات میں ہیجان برپا نہیں کرتا تو گویا ادب اپنا فرض ادا نہیں کر رہا ہے۔ یعنی کسی فن پارے سے محض لطف اندوزی اور بے مہار جذبات کی تسکین اس زمرے کے ادباء کا نصب العین ہے۔ ظاہر ہے یہاں تنقید سے کسی تعمیری مقصد کا حصول بے معنی ہے۔ موضوع کے حوالے سے مذکورہ تمہیدی گفتگو کے بعد ہم تنقید کے اس جہان معنی میں قدم رکھنا چاہتے ہیں جس کی بنیاد پر تعمیری ادب کی عمارت کھڑی ہے۔ تعمیری ادب کو ہی ہم ادب اسلامی قرار دیتے ہیں۔ ادب پارے کے مطالعہ کے لئے جس طرح ہم قرآن حکیم کو اعلیٰ ترین ادب تخلیق کی حیثیت سے پیش نظر رکھتے ہیں۔ اسی طرح تنقید کا اولین سرچشمہ بھی ہم قرآن ہی کو تسلیم کرتے ہیں۔ قرآنی علوم کی ہمہ گیری کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ انسان جس شعبۂ حیات میں مصروف عمل ہے قرآن وہیں اس کی رہنمائی کے لئے موجود ہے۔ چنانچہ ایک ادیب اگر فن کا نمونہ تخلیق کرتا ہے تو اس سے تقاضہ کرتا ہے کہ اس کے قلم کی سیاہی ایسے افکار و خیالات کی تلویث سے پاک رہے جن سے انسانی اخلاقیات پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہوں۔ اسی طرح اگر ناقد کسی فن پارے کے حسن و قبح کو اجاگر کرنے کے لئے بیٹھتا ہے تو قرآن اس کو ہدایت دیتا ہے کہ کھرے کو کھوٹے سے الگ کرنے کے دوران بے باک اور بے لوث ہو کر سیدھی سیدھی اور سچی بات کہے۔ تنقید کے حوالے سے قرآن حکیم نے جو اصول مرتب کئے ہیں وہ آفاقی ہیں۔ دنیا کی جس زبان کے تنقیدی اصول و نظریات کا مطالعہ کیا جائے ان سب میں قرآنی اصول تنقید کی بازگشت صاف طور سے سنائی دیتی ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ عمل تخلیق کا ہو یا تنقید کا، انسانی فطرت سلیم ہر موقع پر آگے رہتی ہے جو اسے تخریبی رویہ اختیار کرنے سے باز رکھتی ہے اور قرآنی تعلیمات بھی فطرت کو اپیل کرتی ہیں جس میں مومن و غیر مومن کی کوئی قید نہیں۔ گویا فطرت کو اپیل کرتی بات آفاقی ہوتی ہے جس کو اختیار کرنے میں اس کے سرچشمہ پر نظر رکھنے کی قطعی ضرورت نہیں الحکمۃ ضالۃ المومن کی واضح تعلیم سے یہی روشنی ملتی ہے۔

قرآن حکیم نے تنقید کے جو معیار و اصول مرتب کئے ہیں ان کا مطالعہ مختلف ذیلی عناوین کے تحت کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے جو بات سامنے آتی ہے وہ سورۂ شعراء میں شعر اور شاعر پر تنقید کے حوالے سے مذکور آیتیں ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جگہ اور رسول پاک ﷺ کے شاعر ہونے کی واضح الفاظ میں تردید کی گئی ہے۔ ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جب قرآن حکیم کی رس گھولتی آواز کفار مکہ کے کانوں میں پہنچی تو انہوں نے اس کو شاعری کا بے مثل نمونہ قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ کو شاعر کہہ کر دوسروں کو بھی ان سے دور رہنے کی تلقین کرنے لگے۔ ان کے اس باطل خیال کی تردید کرتے ہوئے قرآن حکیم نے صاف صاف کہا: ''ما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ''۔ یعنی ہم نے ان (رسول اللہ ﷺ) کو نہ تو شعر کی تعلیم دی اور نہ ہی ان کو اس کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سورہ شعراء میں شاعر کی تنقید ان لفاظ میں کی گئی: ''الشعراء یتبعھم الغاؤن۔ الم ترانھم فی کل وادیھیمون۔ وانھم یقولون مالا یفعلون۔ الا الذین آمنوا و عملوا الصٰلحٰت و ذکروا اللّٰہ کثیراً و انتصروا من بعد ما ظلموا و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون'' ترجمہ: رہے شعرا تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا''۔ ان آیات مبارکہ میں شاعر کی تین ایسی خرابیاں بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے وہ قابل تقلید نہیں: (I) وہ خود ایسے گم کردہ راہ ہوتے ہیں کہ ان کی اتباع بھٹکے ہوئے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ (II) وہ خیالوں کی وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ (III) وہ جو کچھ کہتے ہیں ان پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ گویا قرآن کی نظر میں

بامقصد زندگی گذارنے کے لئے خیال دنیا سے باہر نکلنا اور قول و فعل میں توافق ضروری ہے۔ آگے چل کر شعرا کی مذکورہ بالا عام مذمت سے ان شعراء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو چار خوبیوں سے متصف ہوں۔ اول یہ کہ وہ مومن ہوں، دوسرے یہ کہ وہ اپنی عملی زندگی میں صالح ہوں، تیسرے یہ کہ وہ اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہوں اور چوتھے یہ کہ جو ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے تو کسی کی ہجو یا مذمت نہ کریں البتہ جب ظالموں کے مقابلے حق کی حمایت کے لئے ضرورت پیش آئے تو پھر زبان سے وہی کام لیں جو ایک مجاہد تیر و شمشیر سے لیتا ہے۔ انہیں صفات سے متصف شعراء وہ ہیں جن کی روح القدس کے ذریعہ تائید و حمایت کی خوشخبری رسول پاک ﷺ نے دی ہے۔ آپ ﷺ کا شعر سننا، پسند فرمانا اور اس کے ذریعہ باطل کا دندان شکن جواب دینے کی اجازت مرحمت فرمانا شعر و شاعر کے متعلق اسی قرآنی جواز سے مستنبط ہے۔

تنقید کے اصول: تنقید کا کام دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کرنا، کھرے کو کھونٹے سے الگ کرنا اور ردی کو جید سے ممتاز کرنا ہے۔ اس عمل میں ناقد کے لئے ضروری ہے کہ سیدھی سچی بات کہنے میں کسی قسم کی مصلحت کا شکار نہ ہو۔ قرآن حکیم میں اس کی ہدایت سورہ احزاب میں اس طرح دی گئی ہے: (ترجمہ) یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی اور ٹھیک ٹھیک بات کہو (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ) وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا (اور اس کا سب سے بڑا انعام یہ دے گا کہ) اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ گویا ناقد کی درست گوئی سے نہ صرف فن اور فنکار کی قدر و قیمت متعین ہوگی بلکہ اندرونی طور پر خود ناقد کی اصلاح کا سامان بھی مہیا ہوگا۔ ایک دوسری سورہ میں کسی کا مذاق اڑانے یا کسی کے خلاف تمسخرانہ رویہ اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ انسانی حرکت و عمل کے جس شعبے میں تمسخرانہ انداز پایا جائے گا وہاں ان آیات مبارکہ کا انطباق ہوگا خواہ وہ قولی ہو، عملی ہو یا تحریری ہو۔ عصر حاضر میں تنقید میں تمسخر کا انداز بہت شدت اختیار کرتا جا رہا ہے اس کی وجہ سے تنقید جہاں قول سدید کی روش سے دور ہوتی جا رہی ہے وہیں یہ شخصی جرح و قدح کا مرغوبہ بنتی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں سورہ حجرات کی یہ آیتیں اصول تنقید کے لئے رہنما خطوط کے طور پر پیش نظر رہنی چاہئیں۔ (ترجمہ) یعنی کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا ٹھٹھا کریں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان کے بعد فسق کے نام سے پکارنا بہت برا ہے اور جو (ان بری عادات سے) توبہ نہ کریں وہ ظالموں میں سے ہیں"۔ گو کہ ان آیات مبارکہ سے بظاہر محض ایک دوسرے کے تمسخر سے منع کرنے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ان کا انطباق قوموں کے ان تمام رویوں پر ہوگا جن میں تمسخر اور ہنسی مذاق کا عنصر پایا جائے گا۔ لہٰذا ان آیات مبارکہ سے تمسخرانہ ادبی تنقید کی نکیر بھی کی جاسکتی ہے۔ ادبی گروہ بندی نے ان تمام قابل نفریں باتوں کو تنقید کا تلازمہ بنا دیا ہے فطرت سلیم جن کو قبول کرنے سے اعراض کرتی ہے۔ تنقید کا کام جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے فن پارے کی قدر و قیمت متعین کرنا تھا وہاں اب اس توانائی کا استعمال ذاتی مخاصمت نبھانے اور کردار کشی کے لئے ہونے لگا ہے۔ قرآن حکیم کی روشنی میں اس تنقیدی رویے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے ناقدین اگر اپنی روش کی اصلاح نہیں کرتے تو وہ حد سے گذرنے والوں میں شمار کئے جائیں گے۔

اصول تنقید کے ضمن میں سورہ بقرہ کی وہ آیات کریمہ بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہیں جن میں حق کے ساتھ باطل کی تلبیس پر مواخذہ کیا گیا ہے۔ ناقد اپنے تنقیدی عمل میں اگر حق و ناحق کے درمیان خط امتیاز کھینچنے سے قاصر رہتا ہے یا گریز کرتا ہے تو وہ تنقید کا حق ادا نہیں کر رہا ہے۔ اسی طرح ناقد اگر کتمان حق کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر علمی بد دیانتی کا الزام عائد ہوگا اور اس کا کوئی عمل قابل اعتبار نہیں رہ جائے گا۔ علمی دنیا میں مصلحت پسندی کی جو وبا عام ہو رہی ہے اس سے نہ صرف علم و ادب کو بڑا نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ تنقیدی عمل بھی

متاثر ہورہا ہے جس کے نتیجے میں حق کا ادراک ہونے کے باوجود اس کا اظہار مصلحت پسندی یا شخصیت پرستی کی نذر ہوجاتا ہے۔ قرآن حکیم اس انسانی رویے کی نکیر ان الفاظ میں کرتا ہے: (ترجمہ) یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

اسی قبیل کی باتیں سورہ آل عمران کی ان آیات مبارکہ سے ماخوذ ہیں جن میں گول مول بات کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے۔ یعنی جو بات حق ہو اس کو صاف صاف بیان کردیا جائے اور سچ کے اظہار میں تذبذب کا شکار نہ ہوا جائے۔ اسی طرح بیان حقائق میں الفاظ کی بازیگری سے کام نہ لیا جائے اور نہ ہی ایسی تعبیرات لائی جائیں جن پر غلط پر صحیح کا شبہ ہونے لگے اور سچ پر جھوٹ کا غلاف چڑھ جائے۔ غلط بات کو کسی سے منسوب کرنے کی ممانعت بھی اس سورہ سے مستنبط ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم اس طرح ہے: (ترجمہ) یعنی ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا الٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت ہے، حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم پڑھتے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا۔ وہ جان بوجھ کر جھوٹ بات کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

تنقیدی عمل میں اظہار حق سے گریز کرنے کے حوالے سے سورۂ اعراف کی وہ آیات مبارکہ بھی قابل مطالعہ ہیں جن میں حق بات کو یاد کرانے کے بعد انہیں بھلا دینے پر وعید آئی ہے اور ویسے لوگوں کے نجات کی خوشخبری دی گئی ہے جو لوگوں کو بری باتوں سے روکتے ہیں اور فسق و فجور میں مبتلا لوگوں کو ظالم قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف سخت مواخذے کا اعلان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ اس طرح ہیں: (ترجمہ) یعنی آخر کار جب وہ ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو انہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو تنقید کا معاملہ خواہ کسی شعبہ حیات سے متعلق ہو، ناقد کا فرض منصبی یہی ہے کہ اس کی تنقید سے حق کی تائید ہوتی ہو، تنقید کے ذریعہ عام قاری کی فکری تربیت ہو اور حق اس طرح واضح ہو کر سامنے آجائے کہ اس کی روشنی میں قاری راہ راست پر گامزن ہوجائے۔ تنقید اگر مثبت فکر کی ترویج کا وسیلہ نہیں بنتی ہے تو یہ معاشرے کی تخریب کا سبب بن جائے گی اور عام قاری غلط روی کا شکار ہوجائے گا۔

اصول تنقید کے حوالے سے سورہ صف کی وہ آیات مبارکہ بھی دعوت مطالعہ دیتی ہیں جن میں قول و فعل کے تضاد پر مواخذہ کیا گیا ہے۔ اس مناسبت کی مثال سورہ شعراء کی ان آیات سے پیش کی جاچکی ہیں جن میں شاعر کے ناقابل تقلید ہونے کی صراحت آئی ہے اور اس کی دیگر وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ہیں۔ یہاں اس صفت کے ساتھ صرف شاعر کا تذکرہ آیا ہے لیکن سورہ صف میں اس کے عمومی اطلاق کے ساتھ اس بات کی تنبیہہ کی گئی ہے کہ انسان کہے وہی جس پر خود عمل پیرا ہو۔ قرآن حکیم کا تخاطب اس طرح ہے: (ترجمہ) یعنی ''اے ایمان والو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ بات ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں''۔ یہاں تخاطب میں اہل ایمان کی تخصیص اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قول و فعل میں تضاد مومن کی شان کے خلاف ہے۔ اصول تنقید کے ضمن میں جن آیات مبارکہ سے استفادہ کیا گیا انہیں آیات سے تنقید کا معیار بھی متعین کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں اور بھی آیات کریمہ ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں۔ خوف طوالت سے مذکورہ چند آیات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

تنقید کا تمثیلی انداز: اثبات حق اور تفہیم معانی کے لئے انسانی ذہن اور طبیعت جن طریقوں کا تقاضہ کرتی ہے قرآن حکیم نے ان تمام طریقوں سے انسانی فہم کو فطرت کے قریب لانے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح تنقید کے بھی جتنے مہذب طریقے ہوسکتے ہیں قرآن نے ان کو اختیار کر کے حق کو باطل سے ممتاز کرنے اور کھرے کو کھوٹے سے الگ کرنے کا درس دیا ہے۔ تنقید کے دیگر اسالیب کے ساتھ ساتھ قرآن کا تمثیلی اسلوب تنقید

بھی نہایت واضح ہے جن کی کارفرمائی مختلف مواقع پر قرآن حکیم میں نظر آتی ہے۔ اس ضمن میں بھی ہم چند انہیں آیات مبارکہ کا مطالعہ کریں گے جن کا اطلاق عام تخلیقی مواد کی تنقید پر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ناقد اگر اپنی تنقید میں تمثیلی انداز اختیار کرتا ہے تو گویا وہ قرآن کی ضیا پاشیوں سے ہی اپنی تخلیقی و تنقیدی دنیا کو منور کرتا ہے اس ضمن میں سورہ ملک کی وہ آیات پیش نظر رہنی چاہئیں جن میں منہ کے بل چلنے والے اور سیدھی راہ پر چلنے والے کی مثال دے کر حق و باطل کے درمیان فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ اس مثال سے تنقید کے اس روش کی بھی تردید ہوتی ہے جس کے تحت اس میدان میں شخصیت پرستی کو فروغ مل رہا ہے یعنی اگر کسی بڑے ناقد نے کوئی رائے قائم کر دی تو گویا اس کی پیروی لازم ہو گئی خواہ اس کی رائے کے برخلاف کوئی دوسری قابل قدر بات کیوں نہ سامنے آ گئی ہو۔ قرآن حکیم نے اس رویے کی تردید اس طرح کی ہے: (ترجمہ) یعنی کیا جو شخص اوندھے چل رہا ہو وہ زیادہ صحیح راہ پانے والا ہے یا وہ جو سر اٹھائے سیدھا ایک ہموار سڑک پر چل رہا ہو"۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں تنقید میں لکیر کا فقیر بنے رہنے والوں کی مثال ایسے جانوروں سے دی گئی ہے جو منہ نیچا کئے ہوئے اسی ڈگر پر چلا جا رہا ہو جس پر کسی نے اسے ڈال دیا ہو۔ ایسی روش اختیار کرنے والا کبھی منزل مقصود کو نہیں پا سکتا۔

اس ضمن میں ایک دوسری مثال سورہ نحل سے پیش کی جا سکتی ہے۔ اس مثال میں ایک گونگا بہرا جو کسی کام کا نہ ہو، کا مقابلہ ایسے شخص سے کیا گیا ہے جو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود بھی سیدھے راستے پر گامزن ہو۔ یعنی جس تنقید سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوتا ہو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اس لئے ناقد کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی تنقید نتیجہ خیز ہو۔ قرآن حکیم کا انداز بیان ملاحظہ فرمائیں: (ترجمہ) یعنی اللہ دو شخص کی مثال دیتا ہے۔ ایک گونگا بہرا ہے، کوئی کام نہیں کر سکتا ہے اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، جدھر بھی وہ بھیجے کوئی اچھا کام اس سے نہ بن پائے۔ دوسرا شخص ایسا ہے جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود راہ راست پر قائم ہے۔ بتاؤ کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ اس اسلوب تنقید کی مزید مثالیں قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ اشارے کے لئے دو مثالیں کافی ہیں۔

ناقد کے لئے رہنما اصول: تنقید کے عمل میں ناقد کے سامنے اگر کوئی رہنما اصول نہ ہوں تو وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس کی بات پر زور ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں سورہ لقمان کی چند آیتیں واضح رہنمائی کے لئے مثالی خطوط کے طور پر پیش نظر رہنی چاہئیں۔ گو کہ ان آیتوں میں حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو چند نصیحتیں فرمائی ہیں لیکن ان کا اطلاق حرکت و عمل کے ان تمام میدانوں میں ہوگا جن کا انسانی معاشرے سے گہرا رشتہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر تنقید کا نصب العین حق کی تائید اور باطل کی تردید اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرنا ہے تو یہ آیات مبارکہ ناقد کے لئے رہنما اصول کی حیثیت سے دستگیری کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اس کے لئے ناقد کو پرعزم اور باحوصلہ رہنا ہوگا۔ لومۃ لائم سے تنگ دل نہ ہونے کی ہمت جٹانی ہوگی، سنجیدہ اور متین لب و لہجہ میں ٹھوس دلائل کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر رکھنے کی صلاحیت کو بروئے کار لانا ہوگا اور لوگوں سے منہ پھیر کر چلنے کی روش، بڑبولی اور شور شرابے کی سیاست سے پرہیز کرنا ہوگا۔ قرآن حکیم نے ان آفاقی تعلیمات کی تبلیغ حضرت لقمان کی زبانی اس طرح کی ہے: (ترجمہ) یعنی اے میرے بیٹے نماز قائم کرو، نیکی کا حکم دو، بدی سے منع کرو اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کرو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے (یعنی یہ بڑے حوصلے کے کاموں میں سے ہے) اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرو، نہ زمین پر اکڑ کر چلو، (کیونکہ) اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز ذرا پست رکھو (کیونکہ) سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے"۔ موجودہ زمانے میں ادب و تنقید کے میدان میں گروہ بندی سے اس روش کو بڑی تقویت ملی ہے۔ بات خواہ شواہد و دلائل

سے عاری کیوں نہ ہوں، بلند آہنگ سے پیش کرنے کا رویہ عام ہوتا جارہا ہے جس کے سبب مثبت تنقید سے قاری فیضیاب ہونے سے محروم ہوتا جارہا ہے۔ نامعقول اور غیر مدلل باتوں کو پرزور انداز میں پیش کرنے کی روش کو قرآن کی روشنی میں گدھے کی آواز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو سب سے ناپسندیدہ ہوتی ہے۔ ہر عمل میں اعتدال سے کام لینا قرآن کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ اس تعلیم کو ناقد کو رہنما اصول کے طور پر اختیار کرنا چاہئے۔ ناقد کو فنکار کی قدآوری سے مرعوب ہوکر اپنے تنقیدی عمل کو تلبسوا الحق بالباطل کا شکار نہیں ہونے دینا چاہئے بلکہ اس کو اس جوہری کا کردار ادا کرنا چاہئے جو کسی درہم و دینار کو اپنے خراد پر چڑھانے سے قبل یہ نہیں دیکھتا کہ وہ درہم و دینار کسی حاکم وقت کے خزانے کا مخزونہ ہے یا کسی سائل کے کاسۂ گدائی میں ڈالا ہوا سکّہ۔

ناقد پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ اپنے دلائل غلط انداز سے نہ پیش کرے اور نہ ہی استدلال کا وہ راستہ اختیار کرے جو آگے چل کر خود اس کی پشیمانی کا سبب بن جائے۔ اس اصول کا استنباط سورہ بقرہ کی ان آیات مبارکہ سے کیا جاتا ہے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان ہوئی حجت میں نمرود کو شرمسار ہونا پڑا۔ نمرود نے اپنی بادشاہت کے زعم میں اپنے بااختیار ہونے کی ایسی دلیل پیش کی تھی جس کی تردیدی حجت نے اس کو حیران و پریشان کردیا۔ پورے واقعہ کی وضاحت ان آیات مبارکہ کی تلاوت سے ہوتی ہے: (ترجمہ) یعنی ''کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے حجت کی تھی؟ حجت اس بات پر کہ ابراہیم کا رب کون ہے اور وہ اس بناء پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا ''میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے'' تو اس نے جواب دیا زندگی اور موت میرے اختیار میں بھی ہے، ابراہیم نے کہا: اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اس کو مغرب سے نکال لا''۔ (یہ سن کر) وہ منکر حق حیران و ششدر رہ گیا۔ مگر اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا ہے''۔

حقائق کا علم اور اس کے اظہار پر قدرت رکھتے ہوئے اگر ناقد ان کے اظہار سے گریز کرتا ہے تو اس کی مثال قرآن حکیم نے اس گدھے سے دی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو مگر وہ اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اس کی صراحت سورہ جمعہ میں اس طرح وارد ہوئی: (ترجمہ) جن لوگوں کو قرآن کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس بار کو نہ اٹھایا (یعنی اس کی تعلمات پر نہ خود چلے اور نہ ان کو عام کیا) ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جن پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔

اسی طرح اگر تنقیدی عمل کو وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو یہ کسی جہاد سے کم نہیں۔ کیوں کہ جس طرح جہاد حق کو باطل پر غالب کرنے کا نام یا اس کی کوشش سے عبارت ہے اسی طرح تنقید بھی تخلیق کے حسن و قبح کو واضح کرکے اس میں سے جید کو ردی سے ممتاز کرنا ہے۔ اس کام کے لئے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ایک خاص مہارت اور ذوق کے ساتھ حوصلہ بھی درکار ہے، ایسا حوصلہ جو اس عمل میں لومۃ لائم سے بے نیاز کردے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق یہ حوصلہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت اور اس کا فضل ہے۔ سورہ مائدہ میں اس کی بشارت اس طرح دی گئی ہے: (ترجمہ) یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

تنقیدی عمل میں قرآن کے رہنما اصول کی حیثیت سے یہاں چند سورتوں کے مطالعہ سے ایک واضح اشارہ دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس موضوع پر وسیع تر مطالعہ کے لئے قرآن حکیم میں تدبر و تفکر سے ایک وسیع دنیا کا انکشاف ہوگا۔ یہی قرآن کے جملہ علوم کے سرچشمہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

رابطہ: شعبۂ عربی، علامہ اقبال کالج، بہار شریف،
نالندہ۔ موبائل: 9430514541

☆☆☆

موجودہ ہندوستان میں
مسلمانوں کی ترقی کے امکانات

مفتی غلام مصطفیٰ ہاشمی نعیمی
روشن مستقبل دہلی

کسی بھی قوم کی ترقی کے لیے تین چیزوں کا ہونا بے حد ضروری ہوتا ہے:

۱ر تعلیم۔ ۲ر تجارت/ روزگار ۳ر۔ بچت۔

جو قوم ان تین چیزوں کو حاصل کر لے اسے دنیوی ترقی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کے علاوہ دیگر اسباب سے بالکلیہ آنکھیں بند کر لی جائیں، ہاں یہ تین چیزیں بنیادی اصول کا درجہ رکھتی ہیں۔ جن کے حصول کے بعد دیگر اسباب وعوامل کا حصول کافی آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے جمہوری ممالک میں ترقی کے امکانات کا دروازہ انہیں تین ذرائع سے کھلتا ہے۔ جن قوموں نے ان چیزوں کو بروقت سمجھ لیا انہوں نے جلد ہی ترقی کا راستہ پکڑ لیا۔ مذکورہ چیزوں کا شعور، ان کی لگن اور مسلسل محنت نے انہیں کامیابی کے منصب تک پہنچا دیا۔ آج بھی یہی تین چیزیں کسی بھی قوم کی ترقی کے لیے بنیادی ضرورت مانی جاتی ہیں۔ اگر مسلمان بھی بحیثیت قوم کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں من حیث القوم انہیں تین چیزوں پر قومی نقطہ نگاہ سے کام کرنا ہوگا تبھی مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے ہندوستان میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

تعلیم کی حیثیت واہمیت:

تعلیم انسان کو شعور وفکر کی دولت عطا کرتی ہے۔ انسان کو چیزوں کے سمجھنے کا سلیقہ آتا ہے۔ دنیا کو مختلف جہتوں سے دیکھنے کا نظریہ ملتا ہے۔ کسی بھی جگہ پہنچنے کے لیے تعلیم ہی زینے اور سیڑھی کا کام انجام دیتی ہے۔ اس لیے اگر کسی قوم کو بحیثیت قوم کامیاب ہونا ہے تو کامیابی کی پہلی منزل تعلیم ہے۔ جن قوموں نے بروقت اس چیز کو محسوس کیا وہ دوسری قوموں سے ترقی کی دوڑ میں سبقت لے گئیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ملک کے بعض ذرائع اور اہم مناصب پر بعض مخصوص کمیونٹی کے افراد ہی زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کسی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے یا ان کی محنت شاقہ کا؟

اگر ہم اس سوال کا جواب باریکی کے ساتھ تلاش کریں تو اس سوال کا جواب ہمیں تاریخ کے صفحات میں ملتا ہے۔ تاریخ وہ آئینہ ہے جس میں سب کچھ صاف دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے آئیں اس چیز کو سمجھیں کہ کس طرح ایک مفتوح قوم فاتح اور حکمراں قوم سے آگے نکل گئی۔

سن ۱۷۵۷ء عیسوی تک مسلمان اس ملک پر بلا شرکت غیرے حاکم تھے۔ اس ملک میں آباد دیگر تمام قومیں مفتوح ومغلوب تھیں۔ بعدہ انگریزوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھین لیا۔ اس طرح مسلمان بھی دیگر برادران وطن کی طرح مفتوح بن گیے۔ لیکن جب ملک آزاد ہوا تو ہمارے مقابلے دیگر برادران وطن زیادہ آگے نکل گیے۔ جانتے ہیں کیوں؟ کیوں کہ مسلمانوں کے مقابلے انہوں نے حالات کا بہت تیزی سے ادراک کیا۔ مستقبل کی تیاریاں کیں۔ موجودہ انگریز حکومت سے انہیں کوئی خطرہ تھا نہیں اس لیے بغیر کسی خوف وخطر اور حکومتی روک ٹوک کے وہ لوگ بحیثیت قوم آگے بڑھتے گیے اور کامیاب ہوتے گیے۔

انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی تعلیمی صورت حال:

برٹش انڈیا میں سال 1835 ایک نیا موڑ لیکر آیا جب ملک پر

قابض انگریز حکمرانوں نے اہالیان ہند کے لیے اپنا تعلیمی وژن پیش کیا۔ ویسے تو انگریز ملک پر 1757 ہی سے قبضے کی شروعات کر چکے تھے۔ سن 1757 میں پلاسی کی جنگ جیت کر انہوں نے بنگال پر قبضہ کیا اور 1799 میں سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد میسور اور پورا جنوبی ہندوستان ان کے قبضے میں پہنچ گیا۔ محض چار سال کی قلیل مدت میں تخت دہلی ان کی تحویل میں آ گیا اور مغل بادشاہ کو کٹھ پتلی بادشاہ بنا کر انگریزوں نے پورے ہندوستان پر قبضہ جما لیا۔

انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی عمومی اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت خصوصی طور پر بہت اچھی اور عمدہ تھی۔ جا بجا مدارس قائم تھے۔ جہاں اس دور کے لحاظ سے تعلیم کا اچھا بندوبست تھا۔ مسٹر جیر ہارڈی نے میکس مولر کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

''انگریزی عملداری سے قبل بنگال میں اسی ہزار مدرسے تھے۔ اسی طرح چار سو آدمیوں کی آبادی کے لیے ایک مدرسے کا اوسط ہوتا تھا۔ نیز لڈلو نے تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کے ہر قدیم موضع میں جو اپنی قدیم حالت پر قائم رہے، بچے بالعموم پڑھ لکھ سکتے ہیں۔ مگر جس جگہ ہم نے مثل بنگال کے پرانا نظام توڑ دیا ہے، وہاں گاؤں کا اسکول غائب ہو گیا ہے۔'' (تاریخ باسو: ج 5 ص: 14 بحوالہ مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ 128)

اسی طرح انڈین ریفارم سوسائٹی نے جو 1853 میں انگلستان میں قائم تھی، جیر ہارڈی نے ایک رسالے میں لکھا تھا کہ؛

''ہندوؤں کے زمانے میں ہر موضع میں ایک مدرسہ ہوتا تھا۔ ہم نے چونکہ دیہاتی کمیٹیوں اور میونسپلٹیوں کو توڑ دیا تو اس سے ان کے باشندے مدارس سے محروم ہو گئے اور ہم نے اس کی جگہ کوئی چیز قائم نہیں کی۔'' (ایضاً)

مذکورہ اقتباسات یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ برطانوی راج سے پہلے بھارت اور مسلمان دونوں کی تعلیمی صورت حال کافی بہتر تھی۔ لیکن جب اس ملک میں انگریزوں کو اقتدار ملا۔ تو اقتدار ملنے کے بعد ہی مسلمانوں کی تعلیم پر اس کا کافی زیادہ اثر پڑا۔ سن 1757ء میں پلاسی کے میدان میں انگریزوں کی فتح نے پورے بنگال کو ان کے قبضے میں دے دیا۔ انگریزی اقتدار کے آتے ہی انگریز حکومت نے پہلا کام یہ کیا کہ جو اسّی ہزار ادارے بنگال کے شہروں سے لے کر دور افتادہ دیہاتوں تک قائم تھے، ان تمام اداروں کو بند کر دیا۔ اس طرح تعلیم کا وہ سلسلہ جس سے ہندوستان کے عوام استفادہ کر رہے تھے وہ بند ہو گیا۔ بند ہونے کا یہ سلسلہ دو چار، دس پانچ سال نہیں بلکہ نصف صدی تک جاری رہا۔

آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اگر کسی بستی کے اندر کوئی تعلیمی ادارہ آدھی صدی سے زیادہ وقت کے لیے بند کر دیا جائے تو وہاں ایک مکمل نسل پورے طور پر جاہل بن جائے گی۔ ایسا ہی ہوا تقریباً نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے تک بھی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں نہ تو کوئی قدیم ادارہ کھلنے دیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی جدید ادارہ قائم کیا۔ حالانکہ ۱۷۸۱ء میں کلکتہ میں'' کلکتہ مدرسہ'' اور سن ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا تھا۔ لیکن مذکورہ ادارے اہل ہند کے لیے نہیں بل کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اپنی ضروریات اور ان کے ملازمین کے لیے قائم کیے گیے تھے۔ تاکہ ان اداروں سے ذریعے عربی فارسی اور فقہ وغیرہ کی تعلیم کے ذریعے عدالتی معاملات وغیرہ سمجھے جا سکیں۔ دوسری جانب انگریز چاہتے تھے کہ ہندوستان میں رائج زبانوں، رسوم و رواج اور یہاں کی مقامی روایتوں سے ان کے ملازمین اچھی طرح شناسائی حاصل کر لیں۔ جس سے یہاں کے قانونی اور عدالتی معاملات کو سمجھنے اور نپٹانے میں آسانی ہو سکے۔

اس کے علاوہ انہوں نے پوری طرح تعلیمی اداروں کو بند رکھا۔ جب انہیں اچھی طرح یقین ہو گیا کہ مسلمانوں اور عام ہندوستانیوں کی ایک مکمل نسل پورے طور پر جاہل ہو گئی ہے تو انہوں نے اگلی نسل کو اپنے دام فریب میں لینے کے لیے سن 1817 میں کلکتہ کے اندر ہندو کالج قائم کیا۔ اس ادارے میں صرف ہندو کمیونٹی کے طلبا ہی کو داخلہ مل سکتا تھا باقی مسلمانوں کے لیے اس کالج کے ادارے اپنی ابتدا میں پوری طرح سے بند تھے۔ اس کی بنیادی

وجہ یہی تھی کہ مسلمان اقتدار جانے کی وجہ سے انگریزوں کے جانی دشمن مانے تھے۔ اس لیے انگریز بھی مسلمانوں کی فلاح کے لیے کوئی بھی بہتر اقدام کرنے سے گریز کرتے تھے۔ ہندو کالج کے قیام کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ ہندو مفکرین خصوصاً راجہ رام موہن رائے جیسے لوگوں نے ملک کی بدلتی ہوئی فضا کو پہچانا اور انگریزی حکومت سے قربت کے لیے انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ ہمارے بچوں کے لیے انگریز ایسے ادارے اور کالج قائم کریں جن میں تعلیم حاصل کر کے ہمارے بچے براہ راست انگریزوں کی زبان، ان کا ادب اور ان کی تاریخ پڑھ کر سول سروسز کے لیے تیار ہو سکیں اور اس طرح وہ اقتدار کا حصہ بن سکیں۔ ساتھ ہی مستقبل میں جب بھی ملک میں اقتدار کی منتقلی کی نوبت آئے تو ان کی نسلیں تعلیمی اور تجرباتی سطح پر مسلمانوں سے اتنا آگے ہوں کہ اقتدار انہیں کے حصے میں آئے۔ ہندو مفکرین اپنی سوچ میں پورے طور پر کامیاب رہے انگریزی اقتدار کی قربت اور اور ان کی وفاداری کی وجہ سے انگریزوں نے ان کے لیے ادارے قائم کرنا شروع کر دیے۔ کلکتہ کے بعد بنارس میں جے نارائن کالج، پونا اور آگرہ میں ہندو کالج کالج قائم کیے گئے۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ہندو اس تعلیمی دائرے میں تیزی کے ساتھ داخل ہو گئے جو اقتدار چلائے رکھنے کے لیے انگریزی حکومت نے ضروری اور لازمی بنا دیا تھا۔

بعد کے زمانے میں سرسید جیسے لوگوں نے کالج بنانے کی طرف توجہ دی لیکن یہ کالج بھی انہوں نے صرف اور صرف انگریزی اقتدار سے وابستہ اشرافیہ ہی کے بچوں کے لیے بنایا تھا لہذا اس کا اتنا عمومی فائدہ قوم مسلم کو نہیں مل سکا۔ اس طرح عصری تعلیم سے قوم مسلم کا جتنا بڑا فیصد اور تناسب نکلنا چاہیے تھا ویسا نہ نکلا نہیں۔ یہی حالات چلتے چلتے آہستہ آہستہ سن 1947 آ گیا اور ملک انگریزی اقتدار سے آزاد ہوا۔ آزادی کے بعد بھی سول سروسز میں مسلمانوں کا تناسب غیر مسلموں سے کم ہی رہا کیوں کہ وہ لوگ عصری علوم میں مسلمانوں سے سبقت لیے ہوئے تھے۔

آج بھلے ہی ملک پوری طرح انگریزی حکمرانی سے پاک ہے لیکن انگریزوں نے جن خطوط پر ملکی نظام قائم کیا تھا کم وبیش ملک آج بھی انہیں خطوط پر چل رہا ہے۔ نظام حکومت چلانے کے لیے جو طریقہ کار انگریزوں نے وضع کیا تھا۔ جو قوانین انہوں نے بنائے اور جس منہج کو حکومت کے لیے ضروری سمجھا، وہی امور آزادی سے لیکر آج تک ہمارے نظام کا لازمی حصہ بنے ہوئے ہیں۔ وقتاً فوقتاً جزوی تبدیلیاں ضروری ہوتی رہیں۔ نام کے لیے اس پر ملکی چھاپ دکھانے کی کوششیں بھی ہوتی رہتی ہیں لیکن نظام کی اصل انگریزی نظام ہی ہے۔ اس لیے دنیوی اعتبار سے ترقی کے اس نظام میں بھرپور نمائندگی درج کرانا جس طرح کل ضروری تھا آج اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ کیوں کہ انگریز پھر بھی نظام چلائے رکھنے میں بہت سارے تعصّبات سے خود کو دور رکھتے تھے لیکن موجودہ حالات تعصّبات اور نفرت کی زہر آلود ہواؤں سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ ایسے وقت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ مسلمان تعلیمی مواقع کا بھرپور استعمال کریں۔ جا بجا اپنی آبادیوں میں معیاری تعلیمی ادارے قائم کریں۔ ہر ادارے میں اسلامیات کا شعبہ لازم بنائیں۔ ہر بچے کو بنیادی اسلامی عقائد، تعلیم قرآن بالتجوید اور دینی معلومات فراہم کرنا لازم بنائیں۔ اسی طرز پر اعلیٰ تعلیمی اداروں کا قیام ہو، تاکہ ہمارے بچے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کر لیں اور ان کے نظریاتی معاملات بھی سلامت رہیں۔

تجارت کی اہمیت اور فوائد:

دنیوی ترقی کے لیے تعلیم کے بعد سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے تجارت یا روزگار کے مواقع و ذرائع ملنا۔ اور ان ذرائع کا صحیح اور درست استعمال کرنا۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ تجارت اور روزگار پر بھی بہت زیادہ دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ تجارت کا مطلب یہ ہے کہ تجارت کلی طور پر آپ ہی کی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ محنت آپ کی ہو اور تجارت پر نام کسی اور کا لکھا ہو۔ شروع سے لیکر اخیر تک ساری محنت و لیاقت آپ کی ہو اور برانڈ کسی اور کے نام کا بنا ہو۔

گزشتہ کچھ وقتوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان مختلف چیزوں کی تجارت میں شامل تو ہیں لیکن بحیثیت تاجر ان کا نہیں دوسری کمپنیز یا دوسرے لوگوں کا نام شامل ہوتا ہے یا پورے طور پر انہی کا نام ہوتا ہے۔

بطور مثال یوں سمجھ لیں کہ دلی میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جینس کے کاروبار سے وابستہ ہے۔ مسلمانوں کے بعض علاقے اور محلے تو ایسے ہیں کہ قریب قریب ہر دوسرے تیسرے گھر میں کسی نہ کسی جہت سے جینس کا کاروبار چلتا ہے۔ مسلمانوں کے کارخانے، مسلمان کاریگر، مسلمان ڈیزائنر حتی کہ ہول سیل ڈیلر بھی مسلمان ہی ہوتے ہیں لیکن اس تجارت پر جو نام اور برانڈ ہوتا ہے وہ دوسروں کا ہوتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی ساری محنت اور کارکردگی پر کسی اور کا نام اور برانڈ چسپاں ہو جاتا ہے۔ اس طرح تجارت کا جو اصل فائدہ ہوتا ہے چاہے وہ مالی فائدہ ہو یا سیاسی، وہ مسلمانوں کو نہیں بلکہ ان لوگوں کو ملتا ہے جو بطور تاجر اپنا نام اور اپنا برانڈ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

آخر یہ سب کیوں ہوتا ہے اور کس لیے ہوتا ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ سب مسلمانوں کی تعلیمی کمزوری کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سب مسلمانوں کی سستی اور کاہلی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

تعلیمی کمزوری کی بنا پر مسلمان کسی بھی کاروبار کو دستاویزی حیثیت نہیں دے پاتے۔ کاروبار کروڑوں کا ہوتا ہے لیکن اس کاروبار سے متعلق جو حکومتی ادارے ہوتے ہیں۔ ان اداروں سے مسلمانوں کا بہت زیادہ یا یوں کہیں برائے نام بھی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے حکومتی اداروں کی نظر میں یا حکومتی دستاویز میں بطور تاجر مسلمانوں کے کام یا مسلمانوں کے نام کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اداروں کی نظر میں یہ کاروبار نہ ہونے کی منزل میں ہوتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے مختلف کاروباروں کے لیے جو اسکیمیں اور مراعات دی جاتی ہیں ان کا فائدہ مسلمان دستاویزات کی کمی کی وجہ سے حاصل نہیں کر پاتے۔ ہاں بعض دفعہ مسلمانوں کے ایسے ہی کاروباروں پر حکومتی ادارے مختلف حیلوں، بہانوں سے چھاپا ماری کرتے ہیں اور کسی نہ کسی جہت سے کوئی نہ کوئی کمی اور خامی نکال کر ان پر جرمانہ لگاتے ہیں، ان کے کارخانوں اور ان کی تجارتوں کو سیل کر کے نقصان ضرور پہنچا دیتے ہیں۔

چونکہ مسلمان کاغذی اور دستاویزی اعتبار سے کمزور ہوتا ہے۔ کاروبار کرنے کی قانونی اجازت، کاروبار کرنے کے جو قانونی معیارات ہوتے ہیں۔ کسی بھی جگہ کام لیے جانے کی جو حکومتی گائیڈ لائنز ہوتی ہیں، ان ساری چیزوں کا مسلمانوں کے یہاں فقدان ہوتا ہے، لہذا اپنے کاروبار کو حکومتی چنگل سے آزاد کرانے کے لیے مسلمان الٹے سیدھے پیسے خرچ کرتا ہے۔ پولیس وکیل اور متعلقہ افراد کو جیسے تیسے دے دلا کر اپنے کام کو آزاد کراتا ہے اور دوبارہ پھر اسی طرز پر کام شروع کرتا ہے جس طریقے سے اب تک چلا آ رہا ہوتا ہے۔ یعنی جرمانہ اور دھکے کھا کر بھی سبق سیکھنے تیار نہیں ہوتا۔ اس طرح مسلمان کا کاروبار وقت پیسہ اور محنت لگانے کے بعد بھی مسلمانوں کو اتنا فائدہ نہیں پہنچا پاتا جتنا فائدہ پہنچنا چاہیے تھا۔

کاروباری کمزوری کا دوسرا پہلو:

کاروبار میں مسلمانوں کی کمزوری کا دوسرا پہلو مسلمانوں کی کاہلی اور سستی ہے۔ بہت سارے مسلم تاجر چیزوں کی دستاویزی اور کاغذی حیثیت اور اس کی اہمیت کے بارے میں خوب جانتے ہیں۔ انہیں اس کے سارے معاملات کا علم بھی ہوتا ہے۔ لیکن انہیں لگتا ہے کہ یہ سب چیزیں اتنی ضروری نہیں ہیں کہ اس میں اتنا وقت لگایا جائے اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ ایک یا دو دستاویزی اور کاغذی کاروائی کر کے اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور پھر نہ اس کا تسلسل کرتے ہیں نہ اس سے آگے کچھ کرتے ہیں۔ اسی طریقے سے کام چلاتے رہتے ہیں۔ باضابطہ آڈٹ نہیں ہوتا، حکومتی ریکارڈ میں ان کے سارے معاملات کا اندراج نہیں ہو پاتا۔ لہذا ان کا کاروبار چلتا تو ہے لیکن وہ دستاویزی حیثیت اختیار نہیں کر پاتا جو حقیقتاً کسی کاروبار کو کرنا چاہیے۔

اگر مسلمان اپنی تجارت اور روزگار کو لے کر سنجیدہ ہو جائیں۔ اس کو دستاویزی اور قانونی اعتبار سے کریں تو ان شاء اللہ العزیز آج بھی مسلمانوں کے پاس بہت سارے علاقوں میں کچھ ایسے روزگار اور کچھ ایسے کاروبار ہیں کہ جن پر مسلمان آسانی کے ساتھ بہت مضبوطی سے خود بھی کامیاب ہوں گے اور اپنے قرب و جوار میں بسنے والے لوگوں کے لیے بھی ایک اچھا روزگار دلانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

مالی بچت اور اس کی اہمیت:

ترقی کے لیے صرف تجارت یا روزگار کا مل جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حاصل شدہ رقم کو غیر ضروری خرچوں سے بچا کر محفوظ رکھنا اور اس کی بچت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ چونکہ کاروبار میں سبھی دن ایک سے نہیں ہوتے اور حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت اچھا چلتا ہوا کاروبار بھی وقت کی گردش میں آکر تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس کی بنیاد پر چلتا ہوا کام بغیر کسی وجہ کے ٹھہر جاتا ہے اور کبھی کبھی ختم بھی ہو جاتا ہے۔ ایسے نازک وقت میں انسان کی بچت اور اچھے دنوں میں کمائے ہوئے مال سے بچایا ہوا کچھ حصہ ہی اس کے کام آتا ہے۔

بچت اور مسلمانوں کا مزاج:

بچت کے حوالے سے مسلمانوں کی عمومی صورتحال بالکل بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ مسلمان عمومی طور پر اچھا کھانے، اچھا پہننے اور اپنی خواہشات اور آرزوؤں کو پورا کرنے میں پیسے کو پانی کی طرح بہا دیتا ہے۔ دھوئیں کی طرح اڑا دیتا ہے۔ آپ لوگوں نے اپنے اردگرد دیکھا ہوگا بہت سارے مسلمان ذرا سا خوشحالی کا منہ دیکھ لیں تو دیکھتے ہی ان کے کھانے پینے اور پہننے کے انداز بدل جاتے ہیں۔ اگر وہ ماہانہ ایک لاکھ روپیہ کمانے لگیں تو دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ماہانہ خرچے بھی سونامی کی طرح بڑھ جاتے ہیں۔ مہنگے ہوٹلوں میں کھانا، ہر سال چھ مہینے میں نئی گاڑیاں نکالنا، مہنگے اور برانڈیڈ موبائل لینا۔ قیمتی گھڑیاں پہننا۔ غیر ضروری طور پر گھروں میں مہنگے سامان لانا۔ ایسے ہی شوق اور تمناؤں میں وہ سارا پیسہ جس کو اگر مستقبل کے لیے بطور بچت رکھا جاتا وہ سب دھواں کر دیتے ہیں۔ چونکہ کام چل رہا ہوتا ہے۔ آمدنی کا دور ہوتا ہے۔ تجارت عروج پر ہوتی ہے۔ پیسہ آتا رہتا ہے اور لوگ شوق پورے کرتے رہتے ہیں۔ عروج کے زمانے میں پیسے کا خرچ کرنا محسوس نہیں ہوتا، دکھائی نہیں دیتا، لیکن اچانک سے کاروبار کو زوال آجائے، تجارت خسارے میں چلی جائے اس وقت ان کے پاس تجارت کو از سر نو اٹھانے کے لیے جو سرمایہ درکار ہوتا ہے وہ ان کے پاس موجود نہیں ہوتا۔ لامحالہ یا تو وہ تجارت سے پوری طرح ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں یا تجارت کو دوبارہ کھڑا کرنے کے لیے سود، بیاز جیسی لعنت کا سہارا لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جو اکثر و بیشتر ان کی باقی ماندہ جمع پونجی کو بھی ان کی جیب سے نکال کر مہاجن کے یہاں گروی رکھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس طرح دوبارہ وہی حالت پانا تو دور رہی سہی حالت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان کاروباری ترقی کے زمانے میں ہو یا روزگار کے کسی شعبے میں، اپنی آمدنی کے حساب سے اپنے اخراجات کا حساب بنائے۔ اسی کے مطابق خرچ کرے۔ اور اسی میں سے تھوڑا بہت بچت کرتا ہوا چلے۔ تھوڑی تھوڑی بچت بھی ایک وقت کے بعد اچھے خاصے سرمایے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ آگے چل کر انسان اسی بچت سے چھوٹا موٹا کاروبار کر سکتا ہے۔ گھر کی دوسری ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ شادی بیاہ جیسے معاملات بغیر کسی قرض کے پورے کر سکتا ہے۔

بچت کی اہمیت کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ ان لوگوں سے پوچھئے جو کروڑوں روپیہ ہونے کے باوجود بھی اپنے گھر کے کھانے پینے اور جملہ ضروریات کا مکمل حساب رکھتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ بخیل ہیں! صرف اس لیے تاکہ انہیں اندازہ رہے کہ ان کی ضروریات کتنے میں پوری ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی اس عادت کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اگر بچت کا مزاج بن جائے تو مسلم محلوں میں راتوں کے رت جگے ختم ہو جائیں۔ رات رات بھر کھلنے والے ہوٹلوں کی بھیڑ کم ہو جائے۔ ایک بار یہ مزاج بن گیا تو اس کے ضمن میں بہت ساری خرابیاں اپنے آپ ہی دور ہو جائیں گی۔ اس لیے اگر موجودہ دور میں مسلمانوں کو ترقی کرنا ہے تو انہیں مذکورہ تینوں باتوں پر دل و جان سے عمل کرنا ہوگا۔ اگر دس سے بیس سال کا ٹارگیٹ طے کر کے مسلمان ان چیزوں پر عمل کر لے تو ہماری اگلی نسل ایک بہترین مستقبل کے ساتھ ہمارے سامنے ہوگی۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اس کی ترقی کو روک نہیں پائے گی۔

□□□

درود وسلام پر
اخباری اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

[ایک اخباری تحریر]

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ: القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

۔۔۔۔۔''سلام'' مخالف جماعت کسی طرح بھی اپنے نبی ﷺ پہ سلام پڑھنے دینے کی روادار نہیں چنانچہ دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اب یہ لکھا کہ حضور کے لئے کھڑا ہونا کسی طرح بھی درست نہیں ''صحابہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیوں کہ صحابہ کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ کو یہ پسند نہیں کہ کوئی مجھے دیکھ کر کھڑا ہو''۔۔۔۔۔۔افسوس! حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے لئے کھڑے ہونے کو ناپسند کرنے والے خود اپنی عظمت کے لئے پوری قوم کو کھڑا کر دینے کا ایسا مکروہ جذبہ رکھتے ہیں کہ اگر کوئی ان کے لئے کھڑا نہیں ہوتو دل میں محبت کی جگہ نفرت جنم لے لیتی ہے، برسوں کی محبت یکلخت دم توڑ دیتی ہے، اپنی عزت اتنی پیاری ہے کہ اس وقت امامت اور شریعت سب بے معنیٰ شے ہو جاتی ہے، ایسے ہی لوگوں کے لئے سرکار ﷺ نے فرمایا من سرہ ان تمثل له الرجال قیاما فلیتبو أ مقعده من النار (مشکوٰۃ ۴۰۳) یعنی اپنی تعظیم کے لئے جو دوسروں کے کھڑا ہونے کا خواہش مند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔۔۔۔۔۔''

درود وسلام اہل ایمان کی روحانی غذا ہے، بیمار دلوں کے لئے شفا ہے، دافع رنج والم ہے۔ یہ عمل کائنات کی پیدائش سے ہی جاری ہے اللہ رب العزت بھی اپنے محبوب پہ درود بھیج رہا ہے اس کے فرشتے بھی بھیج رہے ہیں۔ کتنا بابرکت عمل ہے یہ، اور کیا شان محمدی ہے کہ ان پہ اللہ بھی درود بھیج رہا ہے اس کے فرشتے بھی بھیج رہے اور مومن بندوں سے بھی فرمایا جارہا ہے یاایھاالذین آمنو صلو اعلیه اے مومنو تم بھی درود بھیجو و سلمو اتسلیما اور ان پہ خوب سلام بھیجو۔ کب بھیجو، کتنا بھیجو کس طرح بھیجو، اس کی وضاحت نہیں کی گئی بلکہ اسے ایمان والوں کے پاکیزہ جذبہ پہ چھوڑ دیا گیا، جتنا چاہو اتنا بھیجو، جس وقت چاہو اس وقت بھیجو اور جس طرح چاہو اس طرح بھیجو۔ کھڑے ہوکر چاہو اجازت ہے، بیٹھ کر چاہو کوئی رکاوٹ نہیں، لیٹ کر چاہو کوئی ممانعت نہیں۔ دنیا کی کوئی کتاب اور دنیا کا کوئی عالم خواہ وہ کسی بھی عہد کا ہو اس نے درود وسلام کا نہ عدد متعین کیا نہ وقت کا تعین کیا اور نہ درود وسلام پڑھنے کی حالت کی کوئی قید لگائی، لگا بھی نہیں سکتا ہے کہ جب قرآن نے اسے پڑھنے والے کی حالت وقت اور کیفیت پہ چھوڑا ہے تو کسی کو کسی ایک حالت میں مقید کرنے یا کسی حالت پہ اعتراض کرنے کی جرأت کیسے مل سکتی ہے اور جو جرأت کر رہا ہے وہ رب کی منشا کا مخالف ہے اس کے مقصد کا مخالف اور اس کے حکم کا مخالف ہے۔ پروردگار عالم نے آیت میں حکم درود وسلام کو نماز وروزہ اور حج کی طرح وقت وحالت اور عدد سے اس لئے مقید نہیں فرمایا کہ بندہ جب چاہے، جتنا چاہے اور جس حالت میں چاہے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے میرے محبوب ﷺ پہ

درود وسلام بھیجے۔مگر آج کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کا بندہ اور اپنے نبی کا امتی ہوکر، رب کی منشاومرضی کے مطابق درود وسلام پڑھنے والے کونشانہ تنقید بناتے ہیں انہیں بدعتی اور مشرک کہتے ہیں

عجیب دور ہے دیوانۂ نبی کے لئے
ہر ایک ہاتھ میں پتھر دکھائی دیتا ہے

ان ہی مخالفین میں ایک صاحب ہیں جن کا مضمون ''درود وسلام مسئلہ قیام بہ تناظر اسلام'' روزنامہ پندار (۵/اپریل ۲۰۱۳ میں شائع ہوا ہے۔مضمون میں ایسا کچھ نہیں کہ اس کا جواب دیا جائے۔نہ کوئی نئی بات، نہ نیا سوال اور نہ کوئی نیا حوالہ۔ہر بات اور ہر سوال کا اہل سنت کی طرف سے قرآن واحادیث کی روشنی میں اتنی بار دیا گیا ہے کہ اس کا بوجھ اٹھانے سے ان کی پوری جماعت قاصر ہے پھرانہیں سوالوں کا مزید جواب دینا بظاہر تکرار جواب کے سوا کیا ہے مگر بعض احباب مصر ہیں کہ مضمون نگار کا پندار علم کتنا ہے اور ان کے دعوے میں سچائی کتنی یہ عوام کے سامنے آنا چاہئے۔اسی تناظر میں مضمون کے بعض پیرگراف کا تنقیدی جائزہ حاضر ہے۔

آیت کا مفہوم قرآنی:

سورہ احزاب کی آیت (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی ﷺ پہ اے مومنوتم بھی ردود وسلام بھیجو) میں مذکور لفظ ''صلوٰۃ'' کو مضمون نگار نے انتساب کے اعتبار سے مختلف المعنیٰ لکھا ہے اور یہ وہ بات ہے جو مدرسہ کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے اور دل اگر محبت رسول ﷺ سے سرشار ہے تو یہ یقین بھی رکھتا ہے کہ لفظ ''صلوٰۃ'' انتساب کے اعتبار سے اگر چہ مختلف المعنیٰ ہے مگر مفہوم ومقصود کے اعتبار سے متحد المعنیٰ ہے۔یعنی صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، فرشتے کی طرف ہو یا بندوں کی طرف، تمام معانی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان رفیع ہی ظاہر ہوتی ہے اور یہی آیت کے نزول کا مقصد ہے۔چنانچہ تفسیر ابی سعود میں ہے یصلون علی النبی:-قیل الصلاۃ من اللہ الرحمہ یعنی اللہ تعالیٰ درود بھیجتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رحمت نازل فرماتا ہے۔بخاری شریف میں ہے صلاۃ اللہ تعالیٰ علیہ ثنائہ عند الملیکہ یعنی اللہ تعالیٰ کا درود یہ ہے کہ وہ فرشتوں کی محفل میں اپنے محبوب کا تذکرہ فرماتا ہے ـــــ کب سے فرمارہا ہے اور کس طرح فرمارہا ہے اس کیفیت کو کوئی نہیں بتاسکتا، دل بینا اس نورانی منظر کا تصور کرسکتا ہے اور بس ـــــــ فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب کیا ہے؟ تفسیر ابی سعود ہی میں ہے ومن الملیکۃ الاستغفار مضمون نگار نے اس کا مفہوم ان الفاظ میں لکھا ہے یعنی فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ ''وہ بارگاہ عالیہ میں آپ ﷺ کے لئے ترقی درجات کے طلب گار ہیں'' اور صلوٰۃ کی نسبت جب بندوں کی طرف ہو تو کیا معنیٰ ہوگا، مضمون نگار نے خود ہی لکھا ہے

''صلوٰۃ کی نسبت جب بندہ مومن کی طرف ہوگی تو مدح وثنا خوانی اور دعا کا مجموعہ مراد ہوگا''

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمارہا ہے کہ تم میرے محبوب کی مدح وثنا بیان کرو۔مدح وثنا کا مطلب حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف، ان کی صورت وسیرت کا تذکرہ ہی تو ہے۔اب اگر کوئی نعت پاک پڑھ رہا ہے، میلاد النبی کا انعقاد کررہا ہے یا سیرت النبی کے جلسے منعقد کررہا ہے، مختلف صیغوں اور مختلف زبانوں میں درود وسلام بھیج رہا ہے تو یہ سب اسی حکم قرآن پر عمل ہے۔آیت کا اطلاق بتارہا ہے کہ اس حکم کو کسی زبان، صیغہ، یا ہیئت سے خاص کردینا منشاالٰہی نہیں، یہ صلوٰۃ یعنی مدح وثنا جس زبان، انداز اور صیغے سے ہو سب حکم ربی میں شامل ہے۔جماعت اہل حدیث کی ''تفسیر احسن البیان'' میں ہے:

''۔آیت پاک سورہ احزاب کی ہے اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ ومنزلت کا بیان جو ملأ اعلیٰ (آسمانوں) میں آپ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں میں آپ کی ثنا وتعریف کرتا اور آپ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے بھی آپ کے بلندی درجات کی دعا کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں تاکہ آپ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہوجائیں۔

(تفسیر ''احسن البیان'' حافظ صلاح الدین یوسف، لاہور)

اس وضاحت سے یہ بات آئینہ کی طرح صاف ہوجاتی ہے کہ ''صلوٰۃ'' کا انتساب خدائے تعالیٰ یا، فرشتہ و بندہ کسی کی طرف ہو اس کا مفہوم معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہے اور وہ ہے محبوب رب العرش کی توصیف وثنا۔ مضمون نگار کا اسے ''مختلف المعنیٰ'' بتانا اس ذہنیت کے علاوہ کچھ نہیں کہ درود وسلام کے حوالے سے مسلمانوں کے اذہان کو مشکوک بنادیا جائے۔

بندوں کے درود وسلام کی حقیقت:

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا معنی یہ ہے کہ وہ فرشتوں کے درمیان آپ کی تعریف وثنا بیان فرماتا ہے اور ہم بندے جب درود وسلام بھیجتے ہیں تو اس کا معنی کیا ہوتا ہے؟ درود وسلام کے معنی پر غور کرنے سے اس کی حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بندے کی بساط اس سے زیادہ نہیں کہ وہ جب درود بھیجنا چاہے تو وہ خدا کی بارگاہ میں یہ دعا کرے **اللھم صل علیٰ محمد** اے اللہ میری طرف سے تو درود بھیج۔ **اللھم صل وسلم علیہ** اے اللہ! میری طرف سے تو اپنے محبوب ﷺ پہ درود بھیج اور سلامتی نازل فرما۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ بندہ اپنے نبی ﷺ کی رفعت شان اور حقیقت وعظمت جانتا ہی نہیں۔ عام بندے تو بہر حال عامی ہیں خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام تک کسی نے بھی سرکار ﷺ کی حقیقت وعظمت کو نہیں پہچانا۔ حدیث پاک میں سرکار ﷺ کا فرمان موجود ہے **لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی** میری حقیقت کو میرے رب کے علاوہ کسی نے جانا ہی نہیں۔ جب امت اپنے نبی کی حقیقت کما حقہ جانتی ہی نہیں تو وہ کما حقہ درود کیا بھیج سکے گی، اس لئے حکم ہوا بندو! تمہارا درود وسلام یہی ہے کہ تم مجھ سے عرض کرو کہ اللہ میری طرف سے تو ہی اپنے محبوب ﷺ پہ درود وسلام نازل فرما، تاکہ میں اپنے محبوب پہ ان کی شان کے مطابق درود وسلام بھیجوں۔

مولانا مودودی کا حوالہ:

مضمون نگار نے اس آیت کی تفسیر میں ہمارے خلاف مولانا مودودی کو بطور حوالہ پیش کیا ہے، شاید جناب کو معلوم نہیں کہ ان کے اکابر نے مولانا مودودی کو مسلمانوں کے لئے مہلک اور زہر قاتل بتایا ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے اس موضوع پر باضابطہ ایک فتویٰ شائع ہوا تھا جس میں موٹی موٹی یہ چار سرخیاں تھیں:

سہارن پور سے مودودی فتنہ کو مٹادو
مودودی تحریک مہلک اور زہر قاتل ہے
مودودی کے ہم خیال گمراہ ہیں
مودودیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو

اس کے خلاف جب جماعت کے امیر مولانا ابواللیث ندوی نے احتجاج کیا تو مولانا حسین احمد مدنی نے جواب میں لکھا کہ:

''آپ کی تحریک ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو کھینچتی ہے اس لئے میں مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس تحریک سے علیٰحدہ رہنے اور مودودی صاحب کے لٹریچر کے نہ دیکھنے کا مشورہ دوں''

اگر مضمون نگار کو واقعہ کی صحت کے لئے ثبوت درکار ہو تو وہ ''مکتوبات شیخ الاسلام'' جلد ۲ ص ۳۷۷ ملاحظہ فرمالیں۔ کمال ہے اس کے باوجود آپ اساطین امت کا حوالہ دینے کی بجائے مولانا مودودی کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔

اب رہی بات مولانا مودودی صاحب کے پیش کردہ حوالہ کی، تو ان کا فرمان ہمارے نظریہ کے خلاف نہیں بلکہ مؤید ہی ہے۔ انہوں نے کثرت درود کو دین محمدی سے گہرے تعلق اور نعمت ایمان کی قدر کا پیمانہ قرار دیا ہے زحمت نہ ہو تو اپنی پیش کردہ عبارت کو پھر سے ملاحظہ کرلیں عبارت ہے:

''کثرت درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتادیتا ہے کہ دین محمدی ﷺ سے ایک آدمی کا کتنا گہرا تعلق ہے اور نعمت ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے''

تعجب ہے جس کثرت درود کو مولانا مودودی دین محمدی سے گہرے تعلق کی علامت بتارہے ہیں اسی کے خلاف آپ بیان بازی بھی کررہے ہیں۔ بیچارے سنی مسلمانوں پر یہی تو الزام ہے کہ آیت کریمہ کی عمومیت پر عمل کرتے ہوئے صبح میں شام میں رات میں دن میں جلوت میں خلوت میں مجلس میں محفل میں اجلاس میں کانفرنس میں نماز سے پہلے نماز کے بعد، درود وسلام کی کثرت کرتے ہیں، یہ کثرت درود تو ان مسلمانوں کے دین سے گہرے

تعلق اور نعمت ایمان کی قدر کی پہچان ہے۔اب اپنے ہی حوالہ کا معنیٰ مفہوم آپ نہیں سمجھے تو سر دھننے کے سوا کیا مشورہ دیا جائے؟۔شاید اسی موقع کے لئے مرزا غالب نے کہا تھا

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

مضمون نگار نے ''صلوٰۃ'' کے معنیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''آخرت میں جب انبیاء علیہم السلام کی زبانیں نفسی نفسی پکار رہی ہوں گی ایسے جاں گداز وقت میں آپ ﷺ کو مقام محمود اور شفاعت کبریٰ کا مقام وقیع عطا فرمایا جائے گا''

سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مثال اس سے بڑی اور کیا ہوگی کہ جب جہاں جیسی مصلحت درپیش ہو ویسی ہی بات کر کے نکل جاؤ۔ان کی پوری جماعت سرکار ﷺ کی شفاعت کا انکار کرتی آئی ہے،آج بھی ان کا موقف یہی ہے۔انہیں اپنی طرح بشر سمجھتی ہے،مرکر مٹی میں مل جانے کا عقیدہ رکھتی ہے،انہیں مختار نہیں معاذ اللہ مجبور سمجھتی ہے،جب وہ اپنی بیٹی فاطمہ کے کام نہیں آئیں گے تو امتی کیا کام آئیں گے جن کا وظیفہ ہے، اور مضمون نگار یہاں کس ڈھٹائی سے حضور ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا حامل بتا رہے ہیں؟ عقیدہ کا یہ تضاد ان کی پوری جماعت پہ حاوی ہے اور اسی متضاد فکروں پر ان کے ایمان وعقائد کی پوری عمارت کھڑی ہے۔اگر مضمون نگار کا یہ عقیدہ صحیح ہے تو پھر اپنے اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے پر کیا حکم شرعی نافذ ہے اس کی وضاحت ضرور کریں تاکہ اس تضاد بیانی کا معمہ حل ہو سکے۔

مسئلہ سلام: کا تحقیقی جائزہ

درود کی طرح سلام بھی حکم قرآن ہے اور صلوا علیہ (ان پہ درود بھیجو) کے بعد سلموا تسلیما (ان پہ خوب سلام بھیجو) کا الگ مطالبہ ہے اسی لئے سلام کی فضیلت اور اس کا تذکرہ بھی احادیث میں کثرت سے آیا ہے چنانچہ! سنن دارمی اور مسند احمد بن حنبل میں ہے ان للملٰئکۃ سیاحون فی الارض یبلغونی من امتی السلام یعنی اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔دلائل الخیرات میں ہے اسمع صلوٰۃ اھل محبتی واعرفہ۔میں اپنے محبت کرنے والوں کا سلام خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا بھی ہوں۔درود وسلام براہ راست حضور ﷺ تک پہنچتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ آپ اپنی امت کا سلام اپنی ظاہری حیات اور وصال فرمانے کے بعد دونوں حالتوں میں خود سماعت فرماتے ہیں حدیث پاک ہے لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوتہ حیث کان ،وبعد وفاتک ،قال وبعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (ابن قیم،جلاء الفہام۔سخاوی،القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع) قارئین ان احادیث کو ملاحظہ فرمائیں اور سوچیں کہ کیا حضور ﷺ امت کا درود وسلام سننے کے لئے فرشتوں کے محتاج ہیں؟ خود سماعت فرمانے اور فرشتوں کے ذریعہ پہنچنے میں فرق صرف محبت کا ہے۔جو اہل دل محبت رسول کے جذبے میں سرشار ہوکر درود وسلام پڑھا کرتے ہیں انہیں حضور ﷺ خود سماعت فرماتے ہیں بلکہ آپ انہیں پہچانتے بھی ہیں اور جن کے درود وسلام کی یہ کیفیت نہیں ہو پاتی ان کا درود وسلام فرشتے لے کر حاضر بارگاہ ہوتے ہیں۔یہ وہ عمل ہے جو کر لیا جائے تو رائیگاں نہیں جاتا سرکار ﷺ تک پہنچتا ضرور ہے۔

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ

''مزار کے علاوہ کہیں سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ،یا نبی سلام علیک۔۔۔۔۔۔۔۔پڑھنا خلاف سنت ہے'':

یعنی اس لئے خلاف سنت ہے اس میں لفظ ''یا'' کے ساتھ سلام بھیجا گیا ہے۔اب یہ آثار قیامت نہیں تو اور کیا ہے کہ علم سے عاری افراد بھی قرآن واحادیث کی من مانی تفسیر وتوضیح کرنے لگے ہیں اور حق وناحق کے فیصل بن بیٹھے ہیں۔مفسرین فرماتے ہیں کہ ''یا'' کے ساتھ سلام بھیجو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔چنانچہ تفسیر بیضاوی جلد ۲ ہے:

وسلموا تسلیما :وقولو ا السلام علیک ایھا النبی۔۔۔والآیۃ تدل علی وجوب الصلوٰۃ والسلام علیہ

فی الجملہ۔

یعنی سلموا تسلیما کا معنی یہ کہ السلام علیک ایھا النبی کہو۔اسی طرح روح البیان جلد ۷ ص ۲۲۸ میں ہے:

اعلم انہ یستحب ای ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشھادۃ الثانیۃ "صلی اللہ علیک یارسول اللہ" وعند سماع الثانیۃ قرۃ عینی بک یارسول اللہ "ثم قالوا اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر" بعد وضع ظفر الابھامین علی العینین۔

یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلی بار اشھد ان محمد رسول اللہ سنے تو کہے صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور جب دوسری بار سنے تو کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ (یارسول اللہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ ہیں) اس کے بعد دونوں انگوٹھوں کو دونوں آنکھوں پہ رکھتے ہوئے اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر کہے (یعنی اے اللہ میری سماعت وبصارت میں اضافہ فرما)۔

ان ایمان افروز تفاسیر کے باوجود یہ کہنا کہ اس طرح سلام بھیجنا خلاف سنت ہے، جرأت بیجا نہیں تو اور کیا ہے۔اگر کسی کتاب میں "یا" کے ساتھ درود وسلام بھیجنے کی ممانعت آئی ہو تو اس کا حوالہ دیا جائے اور اگر ممانعت نہیں آئی ہے تو الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اور یا نبی سلام علیک دور سے ہو یا نزدیک سے ، بلا کراہت جائز ہونے پر ایمان لایا جائے۔مضمون نگار بخوبی یاد رکھیں کہ ممانعت کے لئے حکم درکار ہے اباحت کے لئے نہیں۔ورنہ عبادات سے لے کر معاملات تک سینکڑوں مسائل کے جائز ہونے پر سوالیہ نشان لگ جائے گا۔

قیام: کا شرعی مسئلہ

"سلام" مخالف جماعت کسی طرح بھی اپنے نبی ﷺ پہ سلام پڑھنے دینے کی روادار نہیں چنانچہ دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اب یہ لکھا کہ حضور کے لئے کھڑا ہونا کسی طرح بھی درست نہیں "صحابہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیوں کہ صحابہ کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ کو یہ پسند نہیں کہ کوئی مجھے دیکھ کر کھڑا ہو" ــــــــ افسوس! حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے لئے کھڑے ہونے کو ناپسند کرنے والے خود اپنی عظمت کے لئے پوری قوم کو کھڑا کر دینے کا ایسا مکروہ جذبہ رکھتے ہیں کہ اگر کوئی ان کے لئے کھڑا نہیں ہوتو دل میں محبت کی جگہ نفرت جنم لے لیتی ہے، برسوں کی محبت یکلخت دم توڑ دیتی ہے، اپنی عزت اتنی پیاری ہے کہ اس وقت امامت اور شریعت سب بے معنیٰ شے ہو جاتی ہے، ایسے ہی لوگوں کے لئے سرکار ﷺ نے فرمایا من سرہ ان تمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار (مشکوٰۃ ۴۰۳) یعنی اپنی تعظیم کے لئے جو دوسروں کے کھڑا ہونے کا خواہش مند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

حیرت ہے دعویٰ اسلام کرنے والے ان موحدین پہ، کہ انہیں قرآن واحادیث میں صرف وہی باتیں ملتی ہیں جن کے معنی ومفہوم کو توڑ مروڑ کر یہ عظمت رسالت کا انکار کر سکیں۔پورے قرآن میں انہیں تنقیص کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ایمان والے اور محبت رسول کا سرمایہ رکھنے والے عظمت رسالت کے اظہار کے لئے قرآن واحادیث کی روشنی میں پوری پوری کتاب لکھ دیتے ہیں ثبوت چاہیں تو "شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن۔شان حبیب الباری من احادیث البخاری۔شان حبیب المنعم من احادیث المسلم جیسی کتابوں کا مطالعہ فرمالیں۔

مسئلہ سلام وقیام میں بھی ذات رسالت میں نقص تلاش کرنے والے یہ موحدین ڈھونڈ کر ایسی حدیث لائے ہیں جس سے یہ اپنے مکروہ جذبے کی تسکین دے سکیں حالانکہ اگر انہوں نے موحد کے ساتھ مومن کی نگاہ سے احادیث کریمہ کا مطالعہ کیا ہوتا تو حضور ﷺ کے لئے کھڑے ہونے والی حدیثیں بھی انہیں بکثرت مل جاتیں۔احادیث میں مختلف مواقع پر مختلف افراد کے لئے کھڑا ہونا اور کھڑے ہونے کے لئے سرکار ﷺ کا حکم فرمانا ثابت ہے۔حضور علیہ السلام کے لئے صحابہ کرام کھڑے ہوتے تھے اور حضور علیہ السلام حضرت فاطمہ زہرا کے لئے کھڑی ہوتی تھیں۔یہ سارے احوال واقوال احادیث میں موجود ہیں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

ابوداؤد شریف میں ہے کانت اذا دخلت علیہ قام الیھا حضرت فاطمہ حضور ﷺ کے گھر تشریف لاتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے۔اسی میں ہے کانت اذا دخلت علیہ قام

الیھا فاخذ بیدھا فقبلھا واجلسھا فی مجلسہ وکان اذادخل علیھا قامت الیہ فاخذت بیدہ فقبلتہ واجلستہ فی مجلسھا (ابوداؤد،ص۷۰۸) یعنی جب حضرت فاطمہ زہرا حضور ﷺ کے گھر تشریف لاتیں آپ ﷺ ان کے لئے کھڑے ہوجاتے ،ان کا ہاتھ پکڑتے ،انہیں بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے ۔اور جب حضور ﷺ حضرت فاطمہ زہرا کے گھر آپ تشریف لے جاتے ،تو حضرت فاطمہ زہرا آپ کے لئے قیام فرماتیں ،انہیں بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ انہیں بٹھاتیں۔

صحابی رسول حضرت سعد کے لئے حضور ﷺ نے کھڑے ہونے کا حکم فرمایا چنانچہ بخاری شریف جلد ۲ ص ۹۲۶ میں ہے :قوموا الیٰ سیدکم۔حضور ﷺ نے جنازہ کے لئے قیام کا حکم فرمایا، چنانچہ بخاری شریف جلد ا ص ۱۷۵ اور مسلم شریف جلد ا ص ۳۱۰ میں ہے اذا رأیتم الجنازہ فقوموا حتی تخلفنکم۔اور اب وہ حدیث پاک سماعت کریں جس سے ایمان تازہ ہوجائے ۔چنانچہ بیہقی شعب الایمان اور مشکوٰۃ شریف ص ۶۸۹ پر ہے:عن ابی ھریرہ کان رسول اللہ ﷺ یجلس معنا فی المجلس یحدثنا فاذا قام قمنا قیاما حتیٰ نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے ساتھ تشریف رکھتے اور گفتگو فرماتے ۔پس جب آپ جانے کے لئے کھڑے ہوتے ہم تمام صحابہ کھڑے ہوجاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک آپ کسی زوجہ محترمہ کے حجرے میں داخل نہ ہوجاتے ۔کتنی صراحت ووضاحت کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضوا کرم ﷺ کے لئے تمام صحابہ کے کھڑے ہونے اور کھڑے رہنے کا واقعہ سنارہے ہیں مگر افسوس بیمار دلوں کو نقص کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

یہ دعویٰ توحید والے !درود وسلام مع القیام کو اتنا بڑا گناہ سمجھتے ہیں کہ اس کے آگے نماز نہ پڑھنا روزہ نہ رکھنا ،حرام کھانا ،چندہ کی رقم ہضم کرنا دھوکہ دے کر مال جمع کرنا کوئی گناہ نہیں ۔اب ان ادب رسالت سے محروموں کو کون سمجھائے کہ کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھنا فرشتے کا بھی معمول ہے صحابہ کرام کا بھی معمول ہے اور اولیاء کرام کا بھی معمول ہے قرآن شریف میں فرشتوں کے بارے میں فرمایا گیا وملئکتہ یصلون علی النبی اور اللہ کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں نبی ﷺ پہ ۔فرشتے درود کس طرح بھیجتے ہیں ؟ تو سورہ صافات میں ہے کہ ان گنت فرشتے صف بصف کھڑے درود بھیج رہے ہیں ۔حضور پاک ﷺ کی بارگاہ میں صبح وشام ستر ہزار فرشتے درود وسلام کا ہدیہ پیش کرتے ہیں کیا وہ بیٹھ کر پیش کرتے ہیں؟ نہیں ۔فرشتے بارگاہ نبوت کے ادب شناس ہیں وہ بے اجازت حضور ﷺ کے حجرہ پاک میں حاضر نہیں ہوتے ،وہ ان کے قدموں کا بوسہ دینا بھی باعث فخر سمجھتے ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے صبح وشام بارگاہ نبوی میں روضہ اطہر پہ حاضر ہونے والے فرشتے بیٹھ کر یا لیٹ کر درود وسلام پڑھتے ہیں اگر کسی پاس یہ صراحت ہے کہ فرشتے بیٹھ کر یا لیٹ کر درود وسلام پڑھتے ہیں تو وہ قرآن وبخاری سے دلیل فراہم کرے۔

حضور پاک ﷺ کی جنازہ کے بارے میں ایک روایت بزاز حاکم ابن منیع بیہقی طبرانی معجم اوسط میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے حدیث مروی ہے :اذااغتسلتمونی وکفنتمونی فصلوعلی سریری ثم اخرجوا عنی فان من اول من یصلی علی جبرئیل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملک الموت مع جنودہ من الملائکہ باجمعھم ثم ثم ادخلو علی فوجا بعد فوج فصلوا علی و سلموتسلیما جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہوتو مجھے ایک تخت پر رکھ کر باہر چلے جاؤ سب سے پہلے جبرئیل امین مجھ پر درود پڑھیں گے پھر میکائیل ،اسرافیل اور پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ درود بھیجیں گے ،پھر گروہ در گروہ میرے پاس حاضر ہوکر مجھ پر درود وسلام عرض کرتے جاؤ۔یہ حدیث بھی بتارہی ہے کہ فرشتے اور صحابہ نے حضور پہ کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھا اور ایسا کرنے کا انہیں حضور ﷺ نے حکم فرمایا۔کیا اس صراحت کے بعد درود وسلام کھڑے ہوکر پڑھنے کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت ہے؟

حضرت انس سے مروی روایت کا مفہوم:

حضور ﷺ کے لئے کھڑے ہونے کو ناپسندیدہ ثابت کرنے کے لئے حضرت انس کی جس روایت کو پیش کیا گیا ہے وہ

روایت ترمذی کی ہے اور غریب ہے۔ ہم اگر تعظیم نبی ﷺ کے ثبوت پر کوئی حدیث پیش کریں تو مطالبہ ہو حدیث صحیح کا، اور وہ بھی بخاری سے۔ اور خود تعظیم نبی کے خلاف ثبوت دینا ہو تو ترمذی سے اور بھی حدیث غریب سے۔ ہماری پیش کردہ ہر حدیث بغیر سوچے سمجھے ضعیف ہے اور منکرین کی پیش کردہ غریب بھی ہو تو قابل قبول، ؎

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

قارئین اس علمی بد دیانتی کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ ان پہ چھوڑتا ہوں۔ شارحین حدیث نے اس حدیث پاک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا اپنے لئے قیام کو ناپسند فرمانا تواضع اور لوگوں کے جبر و کبر کی عادت کی مخالفت کی غرض سے تھا، یعنی امت کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ اپنے لئے کسی کو کھڑا ہونے کی آرزو رکھنا پسندیدہ عمل نہیں۔ اسی لئے ایک جگہ آپ نے فرمایا من سره ان تممثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار (مشکوٰۃ ۴۰۳) یعنی اپنی تعظیم کے لئے جو دوسروں کے کھڑا ہونے کا خواہش مند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ حدیث انس کی شرح کرتے ہوئے صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا ای لقیامهم تواضعا لربه و مخالفته لعادة المتكبرين و المتجبرين: اگر حضور ﷺ کے لئے کھڑا ہونا کلیۃ ناپسندیدہ ہوتا تو حضرت ابو ھریرہ کی روایت کے مطابق صحابہ کرام مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے۔ صحابہ کرام کا کھڑا ہونا بتا رہا ہے کہ حضور ﷺ کے لئے کھڑا ہونا سنت صحابہ ہے۔ اس حدیث کے حوالہ سے پروفیسر مسعود مظہری نے بڑی ایمان افروز وضاحت کی ہے آپ لکھتے ہیں:

سوال کرنے والا سوال کرسکتا ہے کہ اگر حضور ﷺ کو مطلقا تعظیم کے لئے کھڑا ہونا پسند نہ تھا تو پھر اپنے پیاروں کے لئے آپ کیوں کھڑے ہوئے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھڑے ہونے کا حکم کیوں دیا؟ اس کا کوئی جواب نہیں، آپ نے ناپسندیدہ بات کا کبھی حکم نہیں دیا، جو خود پسند فرمایا اسی کا حکم دیا۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ہی آپ کو ناپسند تھا تو آپ نے ناپسندیدہ بات کا حکم دیا؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔۔۔۔۔ اس کا تو کوئی مسلمان تصور نہیں کرسکتا کسی کے لئے دل میں پیار و محبت ہو تو خود بخود کھڑے ہونے کو جی چاہتا ہے، نفرت و عداوت ہو تو کھڑا ہونا تو درکنار سلام کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا، یہ انسان کی فطرت ہے، کسی کے لئے ذوق و شوق سے کھڑا ہونا خلوص و محبت کی علامت ہے اور نہ کھڑا ہونا نفرت و عداوت کی، کسی کی دل سے تعظیم کرنی ہوتی ہے تو ہم کھڑے ہوتے ہیں اور تذلیل و تحقیر کرنی ہوتی ہے تو ہم بیٹھے رہتے ہیں، یہ ہماری عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار حضور اکرم ﷺ کی تعظیم کا حکم دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تعظیم و توقیر کے لئے کھڑا ہونا تاریخ کے ہر دور میں عزت و احترام کی علامت رہی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خلوص دل کے ساتھ حضور انور ﷺ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب ہی کی سنت ہے"

مضمون نگار نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میلاد النبی کسی امام محدث، غوث یا اللہ کے ولی نے نہیں کیا۔ اگر بزرگوں کے معمولات کو تقویۃ الایمان اور تبلیغی نصاب میں ڈھونڈیں گے تو کہاں سے ملے گا اللہ والوں کی باتیں اللہ والوں کی کتابوں میں ملتی ہیں اس موضوع پہ اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اور اتنی زبانوں میں لکھی گئی ہیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ عربی، فارسی پڑھنے میں دشواری ہو تو اکثر کتابوں کا اردو ترجمہ بھی ہوگیا ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی کتاب "اخبار الاخیار" کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے اس میں انہوں نے اپنا عمل صاف لکھا ہے کہ میں محفل میلاد النبی میں شریک ہوتا ہوں اور کھڑے ہوکر سرکار ﷺ پہ درود و سلام پڑھتا ہوں انہوں نے اسی عمل کو آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بھی بتایا۔

توفیق ہو تو بزرگوں کے معمولات پر ہی اپنے عمل کی بنیاد رکھیں بزرگوں کا ہر عمل مجرب نسخہ نجات ہے اور کونوا مع الصادقین کے ذریعہ انہیں کے ساتھ رہنے کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو بزرگوں کے معمولات و مراسم اور ان کے عقیدہ و نظریہ پہ قائم رکھے۔ آمین

□□□

اعلیٰ حضرت اور شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس کی ملاقات

مولانا انیس الرحمن حنفی رضوی بہرائچی
پرنسپل جامعہ رضویہ زینت العلوم سرس کھیڑا ضلع مرادآباد یوپی

مکۂ مکرمہ کی علمی فضا میں پیش آنے والے بعض واقعات ایسے ہیں جنہیں پڑھ کر صرف ایک ملاقات کا احوال معلوم نہیں ہوتا، بلکہ علم کی عظمت، اہلِ علم کی خودداری، تواضع، کتاب وسنت سے وابستگی اور حق شناسی کے ایسے روشن پہلو سامنے آتے ہیں جو مدتوں دل ودماغ میں محفوظ رہتے ہیں۔ امام اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی مکۂ مکرمہ میں حاضری کے زمانے کا ایک واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے، جس میں ایک طرف اعلیٰ حضرت کی علمی وجاہت و بے نیازی نمایاں ہوتی ہے اور دوسری طرف شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت اور حق کے سامنے بے تکلف رجوع کی شان جلوہ گر ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکۂ معظّمہ میں جو اہلِ علم موجود تھے، ان میں تقریباً کوئی ایسا نہ تھا جو ان سے ملاقات کے لیے حاضر نہ ہوا ہو۔ البتہ شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس، جو اس وقت مفتیِ حنفیہ کے منصب پر فائز تھے، اپنی جلالتِ منصب کے باعث خود تشریف نہ لائے۔ اس زمانے میں مکۂ مکرمہ میں مفتیِ حنفیہ کا منصب نہایت معزز اور بلند سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک خاص شاگرد کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے سلام عرض کر کے کہا کہ حضرت مفتیِ حنفیہ آپ کی زیارت کے بے حد مشتاق ہیں۔

اس وقت مولانا سید اسماعیل بھی اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے چاہا کہ حاضری کا وعدہ فرما دیں، لیکن اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم نے ان اکابر کے دلوں میں اس ذرّۂ بے مقدار کی کیسی وقعت پیدا فرمائی تھی کہ اعلیٰ حضرت نے فوراً فرمایا: ”واللہ! یہ نہ ہوگا۔ تمام علماء مجھ سے ملنے آئے ہیں، وہ کیوں نہیں آتے؟

اپنی قسم کے سبب اعلیٰ حضرت اس وقت مجبور رہے، لیکن تقدیرِ الٰہی میں شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس سے ملاقات لکھی تھی، اور ایسی شان سے لکھی تھی کہ اس ملاقات کا ذریعہ بھی ایک علمی تصنیف بنی اور ملاقات کا انداز بھی علم وتحقیق کی مجلس ہی سے پیدا ہوا۔

انہی دنوں مولانا عبداللہ مرداد اور مولانا حامد احمد جداوی نے نوٹ کے بارے میں اعلیٰ حضرت سے استفتا کیا تھا۔ اس استفتا میں بارہ سوالات تھے۔ اعلیٰ حضرت نے نہایت عجلت کے باوجود اس کے جوابات مرتب فرمائے اور ”كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم“ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔ یہ رسالہ تبییض کے لیے حرم شریف کے کتب خانے میں مولانا سید اسماعیل کے برادرِ خورد، سید مصطفیٰ، کے پاس تھا، جو نہایت عمدہ خط لکھتے تھے۔

اس مسئلے سے متعلق ایک سابق علمی واقعہ بھی قابلِ ذکر تھا۔ زمانۂ سابق میں جب اعلیٰ حضرت کے استاذ الاستاذ، حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر، مفتیِ حنفیہ تھے، ان سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ انہوں نے جواب تحریر فرمایا تھا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے، مگر مجھے اس کی جزئیات کا علم نہیں، اس لیے میں اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں دے سکتا۔

ایک دن اعلیٰ حضرت کتب خانے میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک شاندار صاحب کو بیٹھے دیکھا جو آپ کے اسی رسالے "كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم" کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ ابھی نہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کو پہچانا تھا اور نہ اعلیٰ حضرت ان سے واقف تھے۔ مطالعہ کرتے کرتے جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰ حضرت نے "فتح القدیر" سے یہ عبارت نقل کی تھی کہ اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کو ہزار روپوں کے عوض بیچے تو جائز ہے، تو اس عبارت پر پہنچتے ہی وہ صاحب بے اختیار جھنجھلا اٹھے، اپنی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

"أين جمال بن عبد الله من هذا النص الصريح"

یعنی حضرت جمال بن عبداللہ اس صریح نص سے کہاں غافل رہ گئے!

پھر کسی دوسرے مسئلے کی تحقیق کے لیے انہوں نے کتابیں منگوائیں۔ مختلف کتب سے عبارات تلاش کر کے نقل کرنا چاہتے تھے اور ادھر اعلیٰ حضرت اپنے رسالے کی نقل کی تصحیح فرما رہے تھے۔ اس وقت تک نہ وہ اعلیٰ حضرت کو جانتے تھے اور نہ اعلیٰ حضرت انہیں۔

اسی دوران ایک نہایت دلچسپ صورتِ حال پیش آئی۔ انہوں نے ایک ایسی کتاب پر کوئی چیز رکھ دی جسے وہ اس وقت نہ دیکھ رہے تھے اور نہ اس سے کوئی عبارت نقل کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے انہیں ٹوکا نہیں، بلکہ کتاب کی تعظیم کے پیشِ نظر وہ چیز اٹھا کر نیچے رکھ دی۔ انہوں نے دوبارہ اسے اٹھایا اور کتاب پر رکھ دیا، پھر فرمایا کہ "بحر الرائق" کی کتاب الکراہیت میں اس کے جواز کی تصریح موجود ہے۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ایسا نہیں، بلکہ وہاں ممانعت کی تصریح ہے؛ البتہ لکھتے وقت بضرورت، مثلاً ورق کو ہوا سے اڑنے سے روکنے کے لیے، ایسا کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "میں لکھنا ہی تو چاہتا ہوں۔" اعلیٰ حضرت نے فرمایا: "ابھی لکھتے تو نہیں۔" اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

پھر انہوں نے حضرت سید اسماعیل سے دریافت کیا کہ یہ صاحب کون ہیں؟ حضرت سید اسماعیل نے بتایا کہ یہی اس رسالے کے مصنف ہیں۔

اب صورتِ حال یکسر بدل گئی۔ جس شخصیت کی تصنیف ان کے سامنے تھی، جس کی عبارتوں پر وہ علمی گفتگو کر رہے تھے اور جس کے ساتھ ابھی فقہی مسئلے میں تبادلۂ خیال ہوا تھا، وہی امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ معلوم ہوتے ہی وہ خجلت کے ساتھ اور عجلت میں اٹھ کر وہاں سے تشریف لے گئے۔

حضرت سید اسماعیل نے اس صورتِ حال کو دیکھ کر بے ساختہ فرمایا:

"سبحان اللہ! یہ کیسا واقعہ ہوا!"

یہ واقعہ محض ایک ملاقات کی داستان نہیں، بلکہ اپنے اندر علم کی ایک پوری تہذیب سمیٹے ہوئے ہے۔ یہاں منصب اپنی جگہ ہے، مگر علم اس سے بلند نظر آتا ہے؛ شخصیت اپنی جگہ ہے، مگر دلیل کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے؛ اور علمی گفتگو میں کسی نام یا مرتبے کے بجائے کتاب اور نص کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ یہی وہ ماحول تھا جس میں اہلِ علم ایک دوسرے کی علمی آرا کو پوری توجہ سے پڑھتے، دلائل کو پرکھتے اور حق واضح ہو جانے پر اسے تسلیم کرنے میں کسی جھجک کو روا نہ رکھتے تھے۔

(ملفوظ شریف، جلد دوم، ص 17، 18)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعے میں ان کی علمی وجاہت کے ساتھ ساتھ بے نیازی اور خودداری بھی نمایاں ہے، جبکہ شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس کی علمی شان اس پہلو سے سامنے آتی ہے کہ جب ایک صریح علمی دلیل ان کے سامنے آئی تو انہوں نے اسے پوری قوتِ نظر سے دیکھا اور اس کے اثر کو محسوس کیا۔ یوں یہ ملاقات رسمی تعارف سے کہیں بڑھ کر ایک ایسی علمی مجلس بن گئی جس میں کتاب نے پہلے صاحبِ علم کا تعارف کرایا اور شخصیت بعد میں سامنے آئی۔

□□□

فروغ رضویات میں ملک العلماء کا کردار

مولانا محمد حشیم الدین قادری
استاذ: دارالعلوم فدائیہ نوریہ، پاچھورسیا، تھانہ اسلام پور، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

خلیفہ اعلیٰ حضرت، ملک العلماء، فاضل بہار حضرت علامہ مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فروغ رضویات میں جو کردار ہے اس کا تعلق رضویات سے ایسا ہے کہ جب بھی کوئی رضویات پر تحقیق کرے گا تو رضویات کے موسس اول میں جو کردار ہے اس میں حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کردار ان کو نظر آئے گا۔ اور یہ ناقابل انکار حقیقت کا سامنا وہ کرے گا اور دیکھے گا مرید، خلیفہ اور شاگرد ہونے کا حق ایسا ادا کیا کہ رضویات کی تاسیس کے دور میں اس کی تاسیس سے لے کر عمارت کھڑے ہونے تک حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمات ہیں۔ حضور ملک العلماء کو امام اہل سنت جیسا عبقری اور مشفق استاذ و رہنما ملا، تو ان کے در کے ہی ہو گئے، بارگاہ مرشد سے جو بھی لیا، خود بھی اس پر عمل کیا اور پیغام مرشد کو اکناف و اطراف عالم تک بھی پھیلایا۔ حضور ملک العلماء کے دل میں مرشد کا وقار ایسا تھا کہ زندگی کے کسی بھی موڑ میں رضوی اصولوں کو فراموش نہیں کیا قدم قدم پر مرشد کے رہنما اصول پر عمل کیا۔ حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سیرت کو پڑھیں گے تو آپ پر واضح ہوگا کہ کبھی اپنی شناخت و پہچان بنانے کی کوشش نہیں کیا، جو بھی پاس آتا اس کو بارگاہ مرشد میں پیش کر دیتے، کوئی علم کی پیاس لے کر آتا انہیں جام علم بھی پلاتے تو رضوی رنگ میں، یوں کہا جا سکتا ہے کہ حضور ملک العلماء نے رضویات کو اپنی شناخت اور پہچان بنایا تھا، تبھی تو علماء کرام آپ کو رضویات کا موسس اول کہتے ہیں۔ اور کمال تو یہ ہے کہ فروغ رضویات کا یہ مشن حضور ملک العلماء نے بعد وصال مرشد شروع نہیں کیا بلکہ حیات مرشد میں ہی آپ کی شرف مل چکا تھا کہ فروغ رضویات میں آپ اپنا حصہ شامل کر رہے تھے۔ تصنیف، تدریس، خطابت، مناظرہ، گھریلو معاملات، معمولات زندگی حتی کہ ذکر و اذکار و اوراد و وظائف میں بھی حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام اہل سنت کی پیروی اپنے اوپر لازم سمجھتے۔ اپنی پسند، ناپسند کو کبھی ترجیح نہیں دیا۔ ہر کام امام اہل سنت کے مشورے اور حکم سے کرتے۔ امام اہل سنت نے جہاں تدریس کے لئے متعین کیا، وہاں تشریف لے گئے۔ جہاں سے طلب کیا فوراً حاضر ہو گئے۔ 1329ھ تک بریلی شریف میں ہی رہے۔ اس کے بعد امام اہل سنت کے حکم پر شملہ تشریف لے گئے۔ بریلی واپسی ہوئی۔ پھر امام اہل سنت نے آرا بھیجا، متعدد جگہ مناظرے کے لئے روانہ کیا، پٹنہ اور سہسرام میں رہائش کے دوران مراسلات کا سلسلہ قائم رہا، جن میں کتابوں کی تصحیح، متعدد کتب کے حوالوں کی تخریج، ہیئت و توقیت کے نقشہ جات تیار کرنے کا حکم ہوتا اور حضور ملک العلماء خوشی خوشی ساری ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہو کر ان احکام کی تعمیل کو اولین ترجیح دیتے۔

(ملک العلماء، ص 54، مطبوعہ کراچی)

حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فکر رضا کے ترجمان ہونے کی حیثیت سے جو کام کئے ان کا اندازہ لگانے کے لئے ان کی حیات کے متعدد پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ تاہم یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف سے افکار دین و سنیت و

رضویات کو جو فروغ ملا وہ جگ ظاہر ہے، یہ وہ ممتاز ادارہ ہے کہ ہر سنی ادارہ بالواسطہ یا بلا واسطہ اس سے فیضیاب ہے، اس کے ہزار ہا فارغین اکناف واطراف عالم میں فروغ رضویات میں مصروف ہیں ۔رضویات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ یہ عظیم ادارہ بھی حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریک کا نتیجہ ہے۔

تصنیفات وتحقیقات رضا سے آج دنیا آشنا ہے اور استفادہ کر رہی ہے تو اس میں بھی ممتاز کردار حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ چنانچہ حضور ملک العلماء رقمطراز ہیں: میں نے 1327ھ میں حسب فرمائش مولانا المکرم جناب مولانا مولوی سید محمد عبدالجبار صاحب قادری حیدرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی پچاس علوم وفنون میں تصانیف کثیرہ کی فہرست مع فن وزبان وکیفیت ومضمون وسال تصنیف کے بیان میں ایک رسالہ مسمیٰ بنام تاریخی المجمل المعدد لتالیفات المجدد تحریر کیا تھا، جو اسی زمانے میں مطبع پٹنہ میں باہتمام حضرت مولانا ابوالمساکین محمد ضیاء الدین صاحب پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج2،ص807)

1944ء میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسودات درست کئے جائیں اور بعض اہم تصانیف شائع کی جائیں۔ حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اصرار پر حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیار مرشد بریلی تشریف لے گئے اور تین ماہ اپنے مرشد کے روحانی سایہ میں رہ کر بہت محنت وتوجہ سے منتشر مسودات مرتب کئے۔ جو بیشتر اوراق پریشاں کی صورت میں تھے۔ جو مسودات مکمل تھے، ان کی مبیضات تیار کئے۔ اب انہوں نے تصنیفات کی نئی فہرست تیار کی۔ تو اندازہ ہوا، کہ ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے۔ اس میں کتابیں بھی تھیں اور مختصر رسالے بھی۔ عربی وفارسی میں تھیں اور اردو میں بھی۔ تین مہینے کی شدید محنت اور کوشش کے بعد حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حاصل کیا ہوا آپ بریلی شریف کے ایک مخلص دوست کو لکھتے ہیں: میں نے تین مہینے کس جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

(مکاتیب ملک العلماء، قلمی)

حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصنیفات اعلیٰ حضرت کی حفاظت کے لئے جو خط لکھا تھا اس کو پڑھیں اور دیکھیں کہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی معلوم تھا کہ رضویات کا سب سے روشن باب تصنیفات اعلیٰ حضرت کو اگر کوئی محفوظ کر سکتا ہے تو وہ حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ہے، چنانچہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: حضرت ملک العلماء فاضل بہارز یدمجدہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ طالب خیر بخیر ہے۔ پرسوں بخار آ گیا تھا کل یہاں بخار کی حالت میں آیا آج دوپہر تک طبیعت سنبھلی۔ اس قابل ہو سکا کہ کچھ لکھوں۔ یہ خط بہت پہلے لکھنا تھا، خیال تھا بریلی جا کر لکھوں گا جو آج لکھ رہا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کا کتب خانہ نہایت برباد ہے نہ صرف کتب خانہ بلکہ تصنیفات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ضائع ہو چکی ہیں۔ ایسا سنتا آ رہا ہوں ایک جلد، پانچویں فتاویٰ کی برسہا برس سے غائب ہو چکی۔ آپ عرس چہلم میں تشریف لائیں گے مگر اتنی مدت کے لئے تشریف لائیے کہ کتب خانہ اور تصنیفات کی پھر سے فہرست بن جائے۔

والسلام

فقیر مصطفیٰ رضا عفی عنہ

(جہان ملک العلماء، ص875)

جن دنوں حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عظیم کام کے لئے پٹنہ سے دیار مرشد میں تشریف لائے تھے آپ ان دنوں حکومت برطانیہ کے تحت چلنے والا ادارہ مدرسہ شمس الہدیٰ کے نظم و ضبط سنبھال رہے تھے، تعطیلات محدود تھیں، مزید فرصت لی جا سکتی تھی بغیر تنخواہ کے لیکن اس کی بھی حد مقرر تھی۔ پھر حضور ملک

العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک اپنا مرکز تھا، اپنے مشاغل تھے، اپنی مصروفیات تھیں پھر بھی فروغ رضویات کا جنون اور افکار مرشد آفاق عالم تک پہنچانے کا جذبہ آپ کو دیار مرشد بریلی شریف لے آیا۔ حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے مرشد اور استاذ محترم کی علمی بصیرت کا بخوبی اندازہ تھا، اس لئے ان کی تجدیدی کارناموں اور علمی کارہائے نمایاں سے اہل علم وعوام الناس کو واقف کرانے کے لئے وہ نگارشات امام احمد رضا کی اشاعت کے بارے میں ہمیشہ نئے نئے طریقے عمل میں لاتے تھے۔ آج امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات وافکار پر خاصا کام ہو رہا ہے۔ اس کثیر الجہات شخصیت کے مختلف جہتوں پر تحقیق جاری ہے۔ تاہم اس عبقری شخصیت کی حیات وکارناموں پر جنہوں نے سب سے پہلے نثری انداز میں کام کیا۔ وہ حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ فروغ رضویات میں آپ کے اس کام کا محققین ادباء کو بھی اعتراف ہے۔ بلاشبہ حیات اعلیٰ حضرت، فروغ رضویات پر کام کرنے والوں کے لئے عظیم خزانہ ہے جس میں فکر رضا کو بحسن وخوبی بیان کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے خود حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں: افسوس صد ہزار افسوس کہ اس آفتاب عالمتاب کو غروب ہوئے آج (1938ء) میں سترہ سال ہو گئے، مگر سوائے اس مختصر منظوم ذکر رضا حامی دین وملت مولانا مولوی محمود حسان صاحب جام جودھپوری کے کوئی مفصل سوانح عمری آپ کی شائع نہ ہوئی۔ پھر بھی ہم رضویوں کو جناب حاجی مولوی سید ایوب علی صاحب رضوی بریلوی کا شکر گزار ہونا چاہئے، کہ اس کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی اور برادران طریقت کو توجہ دلائی۔ ان کی تحریک سے بعض احباب نے کچھ حالات ان کے پاس لکھ بھیجے اور زیادہ حصہ خود سید صاحب موصوف نے لکھا۔ جب ان کو میرے حیات اعلیٰ حضرت لکھنے کی خبر ہوئی، تو جو کچھ مواد ان کے پاس تھا۔ سب مجھے عنایت فرما دیا۔ خداوند عالم کا ہزار ہزار شکر کہ عرصہ بارہ سال میں یہ کتاب چار جلدوں میں مکمل ہوئی اور اعتبار ختم تالیف مظہر المناقب تاریخی نام تجویز ہوا مولیٰ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور سب سنیوں کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج1، ص81)

حیات اعلیٰ حضرت بلاشبہ باب رضویات کی زینت ہے آج افکار رضا پر تحقیق کرنے والوں کے لئے نشان منزل واولین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانح عمری صرف ولادت، تعلیم وتربیت تک ہی نہیں، بلکہ ان کے آثار علمیہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ان کی جلالت علمی، مقام عشق اور رد بدعات ومنکرات میں میں بے مثال کاوشوں کا محققانہ بیان بھی بطور احسن ہوا ہے۔ حیات اعلیٰ حضرت کی دوسری جلد میں تصانیف امام احمد رضا کے حوالے سے حضور حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو بحث فرمائی ہے، وہ ایک طرف جہاں امام احمد رضا کی علمی بصیرت ظاہر کرتی ہے تو وہیں دوسری طرف حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی لیاقت واستعداد علمی پر بھی دلالت کرتی ہے۔ افکار ونظریات رضا کو جس خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے وہ مصنف کتاب کا حصہ ہے، مذکورہ کتاب میں ہی رد بدعات ومنکرات پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نگارشات کو بھی بڑے اچھوتے طریقے سے بیان کیا ہے۔ جن کے مطالعہ سے یہ بے بنیاد الزام خاک میں مل جاتا ہے، کہ اعلیٰ حضرت بدعتوں کے فروغ میں کوشش کرتے تھے۔ حیات اعلیٰ حضرت کی تیسری جلد میں اس بے بنیاد بہتان کا خوب پردہ چاک کیا گیا ہے اور امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو چودہویں صدی کا مجدد ثابت کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے مجدد وہی ہوتا ہے جو، دین کو تازہ کرتا ہے اور بدعات کا خاتمہ کرتا ہے۔ الغرض حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مربی ومحسن امام اہل سنت کے علمی وفکری مشن کی اشاعت کے لئے ہمیشہ مصروف رہے اور دنیا کو بتا دیا، کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کوئی نیا مسلک ایجاد نہیں کیا، بلکہ وہ دین حق اہل سنت وجماعت کے ہی مبلغ وداعی تھے۔

رابطہ نمبر۔ 9926714799_8319945574

ایک عظیم علمی و تحقیقی منصوبہ

ارمغانِ امام احمد رضا

زیرِ اہتمام وترتیب: حضرت علامہ پیر سید صابر حسین شاہ بخاری قادری رضوی
سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی

امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات، افکار، علوم، تصانیف، خدمات، خانوادہ اور عالمی اثرات۔۔۔دو ضخیم جلدوں پر مشتمل خصوصی علمی و تحقیقی اشاعت

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

اہلِ علم وفضل، علماء ومشائخ، مفتیانِ کرام، محققین، مصنفین، مؤلفین، اساتذۂ جامعات ومدارس، اصحابِ قلم، طلبۂ علومِ اسلامیہ اور دنیا بھر میں موجود محبان ومتوسلینِ امام اہلِ سنت کی خدمت میں نہایت ادب واخلاص کے ساتھ ایک اہم علمی گزارش پیش ہے۔

مدت سے یہ خواہش ہے کہ مجددِ دین وملت، امامِ اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عظیم شخصیت اور ان کی بے مثال علمی، دینی، فقہی، اعتقادی، تفسیری، حدیثی، روحانی، ادبی، اصلاحی، فکری اور تجدیدی خدمات پر ایک ایسا جامع، مستند اور حوالہ جاتی تحقیقی مجموعہ شائع کیا جائے جو ان کی حیات وخدمات کے معروف پہلوؤں کے ساتھ ان علمی گوشوں کو بھی سامنے لائے جو اب تک نسبتاً کم زیرِ بحث آئے ہیں۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر ان شاء اللہ ''ارمغانِ امام احمد رضا'' کو کم از کم دو ضخیم جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ یہ محض ایک یادگاری خصوصی شمارہ یا خراجِ عقیدت کا مجموعہ نہ ہو، بلکہ امام احمد رضا اور رضویات کے مطالعے کا ایک مستند علمی ذخیرہ بنے، جس سے موجودہ اہلِ علم کے ساتھ آنے والی نسلوں کے محققین، جامعات، مدارس اور طلبۂ علم بھی استفادہ کر سکیں۔

دنیا بھر کے اہلِ علم سے اپیل

اس علمی منصوبے کے لیے پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، جنوبی افریقہ، یورپ، افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور دنیا کے دیگر ممالک میں موجود علماءِ اہلِ سنت، مفتیانِ کرام، مشائخ، محققین، اساتذۂ جامعات، مصنفین، مؤلفین، ادباء اور اصحابِ قلم سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس علمی خدمت میں اپنا حصہ شامل فرمائیں۔

ہر صاحبِ علم اپنی دلچسپی، مہارت اور دستیاب علمی مواد کے مطابق ذیل کے موضوعات میں سے ایک یا ایک سے زائد عنوان منتخب کر کے تحقیقی مقالہ تحریر کر سکتا ہے۔ ان کے علاوہ اگر کسی محقق کے ذہن میں کوئی نیا اور مفید موضوع ہو تو اس پر بھی مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

خصوصی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ معروف معلومات کے اعادے کے بجائے نئی تحقیق سامنے آئے، نادر مواد تلاش کیا جائے، منتشر معلومات یکجا کی جائیں اور اصل کتابوں، مخطوطات، خطوط اور تاریخی دستاویزات سے استفادہ کیا جائے۔

موضوعاتِ مقالات

حیات، سوانح اور خانوادۂ رضا

1۔ اعلیٰ حضرت کی حیات وسوانح کا تحقیقی مطالعہ
2۔ ولادت، بچپن اور ابتدائی علمی تربیت
3 ۔خاندانی پس منظر اور نسب
4۔ خانوادۂ رضا کی علمی ودینی تاریخ
5۔ والدِ ماجد مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اعلیٰ حضرت کی تربیت
6۔ والدہ محترمہ اور گھریلو تربیت
7۔ اساتذہ ومشائخ
8۔ برادران اور خاندان کی علمی خدمات
9۔ اولادِ اعلیٰ حضرت کی علمی ودینی خدمات
10۔ حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمات
11۔ مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمات
12۔ خانوادۂ رضا کی بعد کی نسلوں کی علمی خدمات
13۔ روزمرہ زندگی، معمولات اور اخلاق
14۔ عبادات، تقویٰ، ورع اور زہد وقناعت
15۔ علماء، مشائخ اور ساداتِ کرام کا احترام
16۔ علمی مجالس اور تدریسی زندگی
17۔ اسفار اور ان کے علمی نتائج
18۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت کا سال بہ سال تاریخی خاکہ

قرآن، تفسیر اور کنز الایمان

19۔ اعلیٰ حضرت بحیثیت مفسرِ قرآن
20۔ کنز الایمان کا تعارف، خصوصیات اور علمی امتیازات
21۔ کنز الایمان کا اسلوبِ ترجمہ
22۔ کنز الایمان میں شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان وتحفظ
23۔ کنز الایمان اور معروف اردو تراجمِ قرآن کا تقابلی مطالعہ
24۔ کنز الایمان کے تفسیری نکات
25۔ کنز الایمان کے مختلف زبانوں میں تراجم
26۔ عالمی تراجمِ کنز الایمان کا جامع اشاریہ
27۔ کنز الایمان کی اشاعتی تاریخ
28۔ کنز الایمان پر جامعاتی اور تحقیقی کام
29۔ کنز الایمان کی شروح وتفاسیر
30۔ عصرِ حاضر میں کنز الایمان کی علمی اہمیت

حدیث وعلومِ حدیث

31۔ اعلیٰ حضرت بحیثیت محدث
32۔ علومِ حدیث میں اعلیٰ حضرت کا مقام
33۔ اعلیٰ حضرت کی اسانید، شیوخ اور اجازتِ حدیث

فتاویٰ میں احادیث سے استدلال کا طریقہ:

35۔ اعلیٰ حضرت کی حدیثی تحقیقات
36۔ اعلیٰ حضرت سے عصرِ حاضر تک حدیثی سند کا تسلسل
37۔ اجازت ناموں اور اسانید کا جامع شجرہ

فقہ، افتاء اور فتاویٰ رضویہ

38۔ اعلیٰ حضرت بحیثیت فقیہ ومفتی
39۔ فتاویٰ رضویہ کا علمی وفقہی مقام
40۔ اعلیٰ حضرت کے اصولِ افتاء اور طرزِ استدلال
41۔ فقہِ حنفی کی خدمت
42۔ فتاویٰ رضویہ میں قرآن وحدیث سے استدلال
43۔ فتاویٰ رضویہ میں فقہی قواعد
44۔ اختلافی فقہی مسائل میں اعلیٰ حضرت کا طریقۂ تحقیق
45۔ فتاویٰ رضویہ اور جدید فقہی مسائل
46۔ فتاویٰ رضویہ میں برصغیر کی سماجی ومعاشی تاریخ
47۔ نکاح، خاندان اور خواتین سے متعلق مسائل
48۔ تجارت وکاروبار سے متعلق تحقیقات
49۔ اعلیٰ حضرت اور کاغذی کرنسی
50۔ اعلیٰ حضرت کے اصول اور جدید اسلامی مالیات

51۔ فتاویٰ رضویہ میں طب وعلاج کے مسائل

52۔ موجودہ دور میں اعلیٰ حضرت کی فقہی تحقیقات کی اہمیت

53۔ فتاویٰ رضویہ میں عرف وعادت کی حیثیت

54۔ فتویٰ دیتے وقت سائل کے حالات کی رعایت

عقائدِ اہلِ سنت اور علمِ کلام

55۔ اعلیٰ حضرت بحیثیت متکلم

56۔ اعلیٰ حضرت اور عقائدِ اہلِ سنت

57۔ مقامِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اعلیٰ حضرت کی علمی خدمات

58۔ اعلیٰ حضرت اور عقیدۂ ختمِ نبوت

59۔ تحفظِ ناموسِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمات

60۔ صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت وعقیدت

61۔ اولیائے کرام اور ساداتِ کرام کی تعظیم

62۔ اعلیٰ حضرت کی اعتقادی تصانیف

63۔ باطل نظریات کے علمی رد میں اعلیٰ حضرت کا طریقۂ کار

64۔ عصرِ حاضر کے اعتقادی مسائل اور افکارِ رضا

حسام الحرمین اور علماءِ حرمین

65۔ حسام الحرمین کا تاریخی پس منظر

66۔ حسام الحرمین کا علمی واعتقادی جائزہ

67۔ حسام الحرمین کی تائید کرنے والے علماءِ حرمین

68۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء سے اعلیٰ حضرت کے علمی روابط

69۔ عرب علماء سے اعلیٰ حضرت کے تعلقات

70۔ حجازِ مقدس میں اعلیٰ حضرت کی علمی شناخت

71۔ حسام الحرمین کے مختلف نسخے، طباعتیں اور تراجم

72۔ حسام الحرمین کے علمی وعالمی اثرات

عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور نعتیہ ادب

73۔ اعلیٰ حضرت کا تصورِ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

74۔ اعلیٰ حضرت کی حیات میں ادبِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

75۔ اعلیٰ حضرت بحیثیت نعت گو شاعر

76۔ تاریخِ نعت میں اعلیٰ حضرت کا مقام

77۔ حدائقِ بخشش کا علمی، ادبی اور اعتقادی مطالعہ

78۔ کلامِ رضا میں قرآن وحدیث کے اشارات

79۔ کلامِ رضا میں فقہی واعتقادی نکات

80۔ دنیا کے مختلف ممالک میں کلامِ رضا کی مقبولیت

81۔ ایک صدی کی نعت خوانی کی روایت میں کلامِ رضا

زبان، ادب اور تصنیفی خدمات

82۔ اعلیٰ حضرت بحیثیت اردو ادیب

83۔ عربی زبان وادب میں اعلیٰ حضرت کی خدمات

84۔ فارسی زبان وادب میں خدمات

85۔ عربی، اردو اور فارسی نثر کا اسلوب

86۔ اعلیٰ حضرت کا طرزِ تصنیف واستدلال

87۔ علمی مناظرات میں زبان وبیان

88۔ خطوط ومکتوبات کا ادبی وعلمی مطالعہ

89۔ اعلیٰ حضرت کی تحریروں کا جدید لسانی تجزیہ

ریاضی، فلکیات اور دیگر عقلی علوم

90۔ اعلیٰ حضرت اور علمِ ریاضی

91۔ ریاضیاتی تحقیقات کا جدید علمی جائزہ

92۔ اعلیٰ حضرت اور علمِ ہیئت وفلکیات

93۔ اعلیٰ حضرت اور علمِ توقیت

94۔ نماز، سحر وافطار کے اوقات کے تعین میں تحقیقات

95۔ اعلیٰ حضرت اور تعیینِ قبلہ

96۔ تعیینِ قبلہ کے طریقوں کا جدید نقشہ جاتی علوم سے تقابل

97۔ اعلیٰ حضرت اور علمِ جغرافیہ

98۔ علمی استدلال میں اعداد وحساب کا استعمال

99۔ اعلیٰ حضرت کی سائنسی تحقیقات کا تاریخی مطالعہ

سیاسی فکر اور برصغیر کی تحریکات

100۔اعلیٰ حضرت کا سیاسی فکر وشعور

101۔اعلیٰ حضرت اور برطانوی ہندوستان

102۔اعلیٰ حضرت اور تحریکِ خلافت

103۔اعلیٰ حضرت اور تحریکِ ترکِ موالات

104۔اعلیٰ حضرت اور تحریکِ ہجرت

105۔اعلیٰ حضرت اور برصغیر کی سیاسی تحریکیں

106۔اعلیٰ حضرت اور تحریکِ آزادی

107۔مسئلۂ دارالاسلام ودارالحرب میں اعلیٰ حضرت کا موقف

108۔اعلیٰ حضرت پر انگریز نوازی کے الزام کا اصل تاریخی مصادر کی روشنی میں جائزہ

109۔اعلیٰ حضرت کے سیاسی موقف پر موافق ومخالف معاصر تحریروں کا تقابلی مطالعہ

110۔فتاویٰ، رسائل اور تاریخی دستاویزات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے سیاسی افکار

معاشرہ، خاندان اور انسانی زندگی

111۔اعلیٰ حضرت کی اصلاحی وتجدیدی خدمات

112۔اصلاحِ معاشرہ اور اسلامی معاشرت

113۔اعلیٰ حضرت کے ہاں خاندان، بچوں اور والدین کے حقوق

114۔خواتین کے شرعی ومعاشرتی مسائل

115۔تجارت، معیشت اور اخلاقِ معاشرت

116۔طب، صحت اور وبائی امراض سے متعلق فقہی رہنمائی

117۔پانی، صفائی، جانوروں اور ماحول سے متعلق فقہی تصورات

تصوف، طریقت اور روحانیت

118۔اعلیٰ حضرت اور تصوف

119۔اعلیٰ حضرت اور سلسلۂ قادریہ

120۔مشائخِ طریقت اور روحانی نسبتیں

121۔اعلیٰ حضرت کی روحانی وخانقاہی خدمات

122۔تصورِ ولایت اور محبتِ اولیاء

123۔اعلیٰ حضرت کی تعلیمات میں شریعت وطریقت کا تعلق

تلامذہ، خلفاء اور علمی سلسلے

124۔اعلیٰ حضرت کے تلامذہ کا جامع تعارف

125۔خلفائے اعلیٰ حضرت کا جامع تعارف اور عالمی پھیلاؤ

126۔ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں خلفاء وتلامذۂ رضا کی خدمات

127۔افریقہ، عرب ممالک، یورپ اور دیگر خطوں میں خلفائے رضا

128۔تلامذۂ اعلیٰ حضرت کی تصنیفی خدمات

129۔خلفائے اعلیٰ حضرت کی غیر مطبوعہ علمی خدمات

130۔اعلیٰ حضرت سے موجودہ علماء تک علمی، حدیثی اور روحانی سلسلے

دارالعلوم منظرِ اسلام اور بریلی کا علمی ماحول

131۔دارالعلوم منظرِ اسلام کا قیام اور تاریخ

132۔منظرِ اسلام کے اولین اساتذہ اور تلامذۂ اعلیٰ حضرت

133۔منظرِ اسلام کا ابتدائی نصاب

134۔منظرِ اسلام کے اولین پچاس سال

135۔منظرِ اسلام کے فضلاء اور ان کی خدمات

136۔برصغیر کے مدارس پر منظرِ اسلام کے اثرات

137۔اعلیٰ حضرت کے عہد میں بریلی شریف کا علمی ماحول

138۔بریلی کے مدارس، مطابع اور علمی مجالس

تصانیف، مخطوطات اور مکتوبات

139۔اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی جامع فہرست

140۔مطبوعہ، غیر مطبوعہ، مفقود اور نایاب تصانیف

141۔اعلیٰ حضرت کے معلوم مخطوطات کا عالمی اشاریہ

142۔قلمی نسخوں کی تحقیق اور حفاظت

143۔تصانیف کی اولین طباعتوں کی تاریخ

144۔اعلیٰ حضرت کے ذاتی کتب خانے کا تحقیقی جائزہ

145۔حواشی وتعلیقاتِ اعلیٰ حضرت

146۔مکتوباتِ اعلیٰ حضرت کا جامع اشاریہ

147۔مکتوبات کی تاریخ، مقام، مخاطب اور موضوع کے لحاظ سے درجہ بندی

148۔اعلیٰ حضرت کی کتب کے مختلف زبانوں میں تراجم

149۔دنیا کے کتب خانوں میں موجود رضوی مخطوطات

مطابع، صحافت اور تاریخی دستاویزات

150۔اعلیٰ حضرت اور برصغیر کی طباعتی واشاعتی روایت

151۔اعلیٰ حضرت کی کتب شائع کرنے والے قدیم مطابع

152۔معاصر اخبارات ورسائل میں اعلیٰ حضرت کا تذکرہ

153۔وصالِ اعلیٰ حضرت پر اخبارات ورسائل کے تاثرات

154۔قدیم جرائد میں اعلیٰ حضرت سے متعلق مضامین

155۔اعلیٰ حضرت سے متعلق نادر تصاویر اور تاریخی دستاویزات

156۔فتاویٰ، خطوط، اجازت ناموں اور دیگر تحریروں کے اصل قلمی نمونے

اکابر، معاصرین اور دیگر اہلِ علم کی نظر میں امام احمد رضا

157۔اکابرِ اہلِ سنت کی نظر میں اعلیٰ حضرت

158۔معاصر علماء کی نظر میں اعلیٰ حضرت

159۔علماءِ حرمین اور عرب علماء کی نظر میں امام احمد رضا

160۔برصغیر کے علماء کی نظر میں اعلیٰ حضرت

161۔مخالفین کی اصل کتابوں میں اعلیٰ حضرت کے علم وفضل کے اعترافات

162۔دیگر علمی حلقوں میں اعلیٰ حضرت کا تذکرہ

163۔غیر مسلم محققین اور مستشرقین کی تحریروں میں امام احمد رضا

164۔جدید مغربی جامعاتی تحقیقات میں امام احمد رضا

165۔موافق ومخالف تاریخ نگاری میں اعلیٰ حضرت کا تقابلی جائزہ

دنیا بھر میں فکرِ رضا

166۔ہندوستان میں رضویات

167۔پاکستان میں رضویات

168۔بنگلہ دیش میں فکرِ رضا

169۔سعودی عرب اور حرمین شریفین میں امام احمد رضا کا علمی تعارف

170۔متحدہ عرب امارات اور دیگر خلیجی ممالک میں فکرِ رضا

171۔برطانیہ اور یورپ میں فکرِ رضا

172۔امریکہ اور کینیڈا میں فکرِ رضا

173۔جنوبی افریقہ اور دیگر افریقی ممالک میں فکرِ رضا

174۔دنیا بھر میں قائم رضوی علمی وتحقیقی ادارے

175۔امام احمد رضا کے نام سے قائم تحقیقی مراکز

176۔عالمی امام احمد رضا کانفرنسوں کی تاریخ

177۔عرسِ رضوی کے علمی ودعوتی اثرات

اعلیٰ حضرت پر ہونے والی علمی تحقیقات

178۔اعلیٰ حضرت کی معروف سوانح کا تحقیقی جائزہ

179۔اعلیٰ حضرت پر اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہندی، بنگالی اور دیگر زبانوں میں لکھی گئی کتب

180۔اعلیٰ حضرت پر دنیا بھر میں ہونے والی ڈاکٹریٹ اور دیگر جامعاتی تحقیقات

181۔تحقیقی جرائد میں اعلیٰ حضرت پر شائع ہونے والے مقالات

182۔اعلیٰ حضرت پر شائع ہونے والے خصوصی نمبروں کی جامع فہرست

183۔رضویات کی خدمت کرنے والے رسائل وجرائد

184۔دنیا کی جامعات میں مطالعاتِ امام احمد رضا

185۔گزشتہ ایک صدی کی رضویاتی تحقیق کا تنقیدی جائزہ

186۔موجودہ تحقیقات میں باقی رہ جانے والے علمی گوشے اور آئندہ کام کی جہات

نادرات ودستاویزاتِ رضا

اس خصوصی اشاعت میں ''نادرات ودستاویزاتِ رضا'' کے عنوان سے ایک مستقل گوشہ قائم کرنے کا ارادہ ہے۔

علماء، مشائخ، علمی خاندانوں، کتب خانوں اور اہلِ ذوق سے درخواست ہے کہ اگر ان کے پاس اعلیٰ حضرت یا ان کے تلامذہ و خلفاء سے متعلق قدیم خطوط، اصل فتاویٰ، دستخط، قلمی نسخے، قدیم

مطبوعات، نایاب رسائل، تاریخی تصاویر، اخباری تراشے، اجازت نامے، اسانید، پرانے اشتہارات، دعوت نامے یا کوئی دوسری غیر مطبوعہ تاریخی دستاویز محفوظ ہو تو اس کی واضح نقل اور دستیاب تعارف فراہم فرمائیں۔

جامع کتابیاتِ امام احمد رضا و رضویات

خصوصی اشاعت میں ایک مستقل کتابیاتی حصہ بھی شامل کرنے کا ارادہ ہے جس میں اعلیٰ حضرت کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف، مخطوطات، تراجم، شروح، سوانح، اعلیٰ حضرت پر لکھی جانے والی کتب، جامعاتی تحقیقات، تحقیقی مقالات، خصوصی شمارے، رسائل و جرائد، مصنفین، ناشرین اور سنینِ اشاعت کو حتی المقدور یکجا کیا جائے۔

اس کا مقصد یہ ہوگا کہ آئندہ کسی محقق کو کسی موضوع پر کام شروع کرتے وقت معلوم ہو سکے کہ اس میدان میں پہلے کیا کام ہو چکا ہے اور مزید تحقیق کی گنجائش کہاں موجود ہے۔

مقالہ نگار حضرات سے اہم گزارشات

مقالات حتی المقدور علمی، تحقیقی، متوازن اور حوالہ جاتی ہوں۔

اصل کتاب کا نام، مصنف، جلد، صفحہ، ناشر اور سنِ اشاعت درج کیا جائے۔ کسی موافق یا مخالف شخصیت کی طرف کوئی قول منسوب کرتے وقت حتی الامکان اصل ماخذ پیش کیا جائے۔

کسی قدیم تصویر یا دستاویز کے ساتھ اس کا ماخذ، تاریخ اور دستیاب تاریخی معلومات بھی فراہم کی جائیں۔

جس موضوع پر پہلے علمی کام موجود ہو، اس میں محض سابقہ مواد دہرانے کے بجائے نئی تحقیق اور نئے علمی اضافے کی کوشش کی جائے۔ کسی سابق محقق سے اختلاف ہو تو اسے علمی وقار، دلیل اور ادب کے ساتھ پیش کیا جائے۔

اس منصوبے کا مقصد

ہماری خواہش محض یہ نہیں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عظمت پر خوبصورت مضامین جمع ہو جائیں، بلکہ یہ مجموعہ پڑھنے والے کو اعلیٰ حضرت کی حیات، خانوادہ، اساتذہ، تلامذہ، خلفاء، علوم، تصانیف، کنز الایمان، فتاویٰ رضویہ، حدیث، فقہ، تفسیر، عقائد، نعت، عشقِ رسول ﷺ، ریاضی، فلکیات، علمی روابط، سیاسی افکار اور عالمی اثرات کی ایک جامع تصویر فراہم کرے۔

اس کے ساتھ یہ بھی سامنے آئے کہ ان کے تلامذہ اور خلفاء نے ان کے علمی و روحانی فیضان کو دنیا کے کن خطوں تک پہنچایا اور آج، ان کے وصال کے ایک صدی سے زائد عرصے بعد، مختلف ممالک میں فکرِ رضا اور مطالعاتِ امام احمد رضا کی علمی صورت کیا ہے۔

پاکستان سے ہندوستان، بنگلہ دیش اور حرمین شریفین تک، متحدہ عرب امارات اور دیگر عرب ممالک سے جنوبی افریقہ تک، برطانیہ و یورپ سے امریکہ و کینیڈا تک، دنیا کے جس خطے میں بھی علماءِ اہلِ سنت اور محبانِ امام احمد رضا موجود ہیں، ان سب کو اس علمی خدمت میں شرکت کی دعوت ہے۔

ضروری نہیں کہ تعاون صرف ایک طویل مقالے ہی کی صورت میں ہو۔ کسی کے پاس ایک نادر خط، قدیم کتاب، کسی غیر معروف شاگرد یا خلیفہ کا مستند تعارف، کسی ملک میں فکرِ رضا کی تاریخ، پرانی تصویر، جامعاتی تحقیق کا حوالہ، نایاب کتاب کا سراغ یا کوئی دوسری مستند تاریخی اطلاع ہو تو وہ بھی اس مجموعے کے لیے نہایت قیمتی ہو سکتی ہے۔

اللہ رب العزت اپنے محبوبِ کریم، رؤف و رحیم ﷺ کے صدقے اس علمی کوشش کو شرفِ قبول عطا فرمائے، اسے دینِ متین، مسلکِ اہلِ سنت اور علمی ورثۂ امام احمد رضا کی خدمت کا ذریعہ بنائے، تمام مصنفین، محققین، معاونین اور اہلِ قلم کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی و روحانی فیضان سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

□□□

محقق عصر

حضرت مولانا محمد عبدالعلی آسی مدراسی لکھنوی قدس سرہٗ

وصال ۱۳۲۷ ھجری

مُفتی محمود احمد رفاقتی

موجودہ دور کے تمام اہل سنت علماء کے شیوخ حدیث کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی قدس سرہٗ حضرت مولانا محمد عبدالعلی مدراسی علیہ الرحمہ کی ایک کتاب تنبیہ الوہابیین کی منظوم تقریظ تحریر فرمائی۔ جس کے مصرعہ سے آپ کے بلند مراتب علمی اور فضائل ومحامد حسنیٰ کی ترجمانی ہوتی ہے۔

وہ آسی کہ نبراسِ انوارِ وحدت — وہ آسی کہ قسطاسِ اسرارِ حکمت
وہ آسی کہ، برہم زنِ شرک وبدعت — وہ آسی کہ، رونق دہِ دین وملّت
وہ آسی کہ، شمع بزم ذہانت — وہ آسی کہ ہے لمعِ رزمِ فطانت
وہ آسی کہ کشاف رمزِ عبارت — وہ آسی کہ ہلّالِ عقدِ اشارت
وہ آسی کہ دانائے حکمِ شریعت — وہ آسی کہ بینائے رازِ طریقت
وہ آسی کہ سبّاح دریائے جودت — وہ آسی کے سیّاح بیدائے فطنت
وہ آسی کہ ہے صدرِ ایوانِ خلوت — وہ آسی کہ ہے بدرِ رخشانِ جلوت
وہ آسی کہ شمس الضحائے فصاحت — وہ آسی کہ بدرالدجائے بلاغت
وہ آسی کہ جامع فقہ و سنت — وہ آسی کہ ہے قامع شرک وبدعت
وہ آسی کہ ہے تقلید واجب کی آیت — بتادی، دکھادی، حدیث وروایت
وہ آسی کہ تقلید کو عین سنت — کیا ثابت، از روئے، برہان وحجت
بس اب بھی نہ مانیں، جو اہل روایت — تو ہرگز نہ پائیں گے، راہِ ہدایت
نہ دیکھیں گے آنکھوں سے روئی حقیقت — سنیں گے نہ کانوں سے، رامی اصابت
ہے ان جاہلوں کی جہالت یہ فطرت — ہے، بدنیت ان کی بدی ان کی طینت
نہ مانیں گے جب، یہ کسی کی نصیحت — وصی کیا کرے کوئی ان کو وصیّت

حضرت موصوف صوبۂ مدراس کے مشہور شہر چتّور کے متوطن تھے، وہاں سے جوانی میں لکھنؤ پہنچے اور مشہور مصنف ومحشی، متکلم، مفسرِ حضرت مولانا الٰہی بخش فیض آبادی کی خدمت میں اکثر درسیات کا سبق لیا۔ آخر میں علامہ امام محمد عبدالحئ فرنگی محل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کے درس میں شریک ہوکر اکمال علوم کیا۔

حضرت علامہ محمد عبدالعلی آسی مدراسی علوم دینیہ حدیث وتفسیر و فقہ کی نشرواشاعت کی طرف بے حد راغب تھے، اسی غرض سے آپ نے حاجی عبدالرحمن شاکر مرحوم کے مطبع میں تصحیح اور حواشی لکھنے کی خدمت قبول کی، اور اس سلسلے میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے، حضرت علامہ امام طحاوی قدس سرہٗ کی شرح معانی الآثار کے حواشی کی تحریر کا کام حضرت محدث سورتی شیخ الحدیث مولانا محمد وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی نے مکمل کیا اور عبدالرحمن خاں مالک مطبع نظامی کانپور کو طباعت کے لیے سونپا تو اس کے بعض مقامات پر حضرت علامہ عبدالعلی آسی مدراسی نے بھی تعلیقات لکھے، ماہتاب ہند حضرت علامہ محمد حسن سنبھلی نے اس کے مقدمہ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے، حضرت محدث سورتی قدس سرہٗ کی تعلیقات نسائی شریف بھی ۱۲۹۵ ھجری میں مطبع نظامی کانپور سے طبع ہوئی، حضرت علامہ آسی نے اس کی تصحیح کی خدمت بھی انجام دی۔

اُسی عہد میں حضرت علامہ عبدالعلی آسی مدراسی اور علامۃ الہند مولانا محمد حسن سنبھلی اور حضرت محدث سورتی کے مابین ربط وداد کا تعلق

قائم ہوا، جو آخر دم تک قائم رہا، اور ان تینوں علماء فحول اور اصحابِ قبول نے علوم دینیہ کی نشر واشاعت میں یگانہ اور نمایاں کارنامے انجام دیئے، علاّمہ آسی نے محلہ محمود نگر میں اصح المطابع قائم کیا اس مطبع سے علوم حدیث وفقہ کی بہت سی کتابوں کو چھاپ کر نشر کیا۔

مولوی اسماعیل دہلوی کے طرفداروں میں عبدالحق نیوتنوی بنارسی اور قاضی شوکانی نجدی زیدی شیعی کے عقائد اور افکار نجدیہ کے متبع نواب صدیق حسن بھوپالی کی مالی اعانت سے وہابیوں نے تیرہویں صدی ھجری کے ربع آخر کے آخر میں شورش برپا کی، اور مولوی نذیر حسن جبش خانی نے ان کی قیادت کی، اس وقت ان کی بدکلامیوں پر لگام لگانے کے لیے جو علماء حق نصرت حق کے لیے اُٹھے اور سرگرم جدوجہد کی ان میں ان اصحاب ثلٰثہ کے کارنامے نہایت نمایاں اور ممتاز ہیں، نجدی وہابی ضلالت سے بھری کتاب ظفر المبین شائع ہوئی حضرت مولانا محمد عبدالعلی مدراسی نے فلاح امت کے لیے اس کے ابطال میں فتح المبین مع ضمیمہ غیر منقسم ہندوستان کے تمام علمی مرکزوں کے علماء کبار اور اخیار سے اس کی تائید میں تصدیق ودستخط وتقریظ حاصل کیے، حضرت محدث سورتی جیسے امام حدیث کو یہ کتاب اس قدر پسند آئی کہ انہوں نے اس پر طویل اشعار تحریر فرما کر پسندیدگی کا خراج پیش کیا اور اس کا قطۂ تاریخ بھی تحریر فرمایا:

ذرا انصاف کی آنکھوں سے اے وہابیو! دیکھو
کتاب اب یہ، مصنف نے لکھی، کیا دل کشا عمدہ

جوابات، اس میں سب ثابت ہیں، قرآن وحدیث سے
ہر اک بات اس کی اردو میں ہوئی کیا دل کشا عمدہ

کتاب اس حسن وخوبی کی، نہیں چھاپی گئی اب تک
کہ خطاطانِ خوش خط نے لکھی، کیا دل کشا عمدہ

عجب پھولا ہے باغِ حوض اس کا، نہر جدول سے
اور اس کی لوح وپیشانی بنی، کیا دل کشا عمدہ

ہے اس کا نسخ ونستعلیق، ہر اک خوش نما، خوش خط
خفی کیا دل کشا عمدہ، جلی، کیا دل کشا عمدہ

ضمیمہ کو جو دیکھا، خصم منکر بھی یہ بول اُٹھا
کہ حق بات اس میں ظاہر ہوگئی، کیا دل کشا عمدہ

جو پوچھا سال چھپنے کا، لبِ ہاتف سے یوں نکلا
''کتاب ردِّ محی الدین چھپی، کیا دل کشا عمدہ''

۱۳۰۱ھ

جو کاٹو سر وہابی کا تماشا ہے، اس سن میں
سن تصنیف ہوا پیدا وصی، کیا دل کشا عمدہ

۱۳۰۱ھ

حضرت امام علامہ شیخ وصی احمد محدث سورتی نے مزید تحریر فرمایا:

''پس حضرت سراپا افاضت مولانا اُستاذ نا مولوی محمد علی صاحب آسی مدراسی مدّظلہ العالی علی راسی بل رؤس الآسی نے جو اس کتاب کے ضمیمہ تنبیہ الوھابیین میں معرکۃ الآرائی کا قلم یعنی حق نویسی کا قلم اُٹھایا تو زمانۂ قرون ثلاثہ میں تقلید شخصی کے وجوب و فرضیت کو قرآن وحدیث کے نصِ صریح سے ثابت کر دکھایا، جزاہ اللہ رَبُّ البرایا کہ آج تک کسی نے اس اہم مسئلہ تقلید کے وجوب کو سوائے عقل و درایت کے اس طرح خطاب شارع میں داخل نہ کیا، اور نہ ایسا جواب باصواب منکرین کو دیا، جس سے غیر مقلدین بغلیں جھانکنے لگے، اور بجائے خجالتِ عجز جواب کے، مکھیاں ہانکنے لگے، اور قطع نظر اس کے ہر جگہ ضمیمہ میں یہ التزام کیا مدعیانِ عمل بالحدیث کو احادیث صحاح کی مخالفت کا صریح الزام دیا، جس کے سبب اہل الرائے عاملِ بالحدیث ٹھہرے اور عمل بالحدیث کے مدعی، مخالفِ حدیث ہوگیے ۔

جو دیکھا، عکسِ دل برکو وصیؔ نے ساغرِ مل میں
قضیہ منعکس ہونے کا رنگ آیا نظر گُل میں

حضرت علامہ عبدالعلی قدس سرہٗ نے فتح المبین مع ضمیمہ تنبیہ الوھابیین بار دیگر چھپوائی تو آخر کتاب میں اشتہار جدید قابل دید کا عنوان قائم کر کے تحریر فرمایا۔

جب یہ فتح المبین مع ضمیمہ تنبیہ الوہابین ۱۳۰۱ھجری میں چار برس کی کوشش کے بعد چھپ کر جلوۂ ظہور میں آئی تو بسبب کثرتِ تقاریر ومواہیر علمائے مشاہیر کے ایسی قبولیت پائی کہ ایک ہی سال میں مقلدوں نے ہاتھوں ہاتھ خرید لی، بلکہ غیر مقلدوں کو اس کو لینے کی توفیق ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثروں نے ترکِ تقلید سے توبہ کی الحمدللہ علیٰ ذالک التائید الغیبی۔

یہاں تک کہ یہ کتاب خریداروں کی کثرت سے بالکل نایاب ہوگئی، اور ہر طرف سے طلب پر طلب آنے لگی تو ناچار خاکسار نے بنظر الیفائے معاہدۂ مندرجۂ عنوان سابق کے ساری کتاب کے مضامین کو مع فہرست علی ترتیب الفقہ مرتب کیا اور جا بجا

مفید فائدوں کو بھی بڑھایا، اور پھر ان کا خلاصہ حاشیے پر چڑھایا، بعد اس کے مسئلۂ وجوب تقلید کی معرکۃ الآراء بحث ضروری جو پہلے بالکل فروگزاشت ہوگئی تھی، بعد اضافۂ دیباچۂ جدید ومقدمۂ مفیدہ کے ضمیمہ کے شروع میں کئی جز تک بڑھادی اور جابجا مناسب مقام کے کارآمد عبارت بھی بحوالہ کتبِ معتبرہ زیادہ کردی، اور علاوہ تقاریظ ومواہیر سابقہ کے اور بھی بڑے بڑے علمائے عرب وعجم کے مواہیر وتقاریر کو بہزار مشقتِ رسل ورسائل وانتظار خطوط وصرفۂ کثیر محصول ڈاک کے چار پانچ برس میں وقتاً فوقتاً ترتیب دینا اور بڑھانا پڑا، کہ آج تک دنیا میں کتاب اس قدر کثرتِ مواہیر کے ساتھ دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی، جن کی تعداد ۴۶۶ تک پہنچ گئی، اور درحقیقت سمجھو، تو ان علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین کی عمدہ عمدہ تحریریں اور چیدہ چیدہ تقریریں مقلدوں کے احقاقِ حق اور غیر مقلدوں کے ابطال باطل میں بجائے خود عموماً اہل اسلام کے واسطے ایک کتاب مستند ہے، اور خصوصاً مقلدوں کے لیے ایک مجموعہ قابل السند کہ ہزاروں روپیہ صرف کرنے سے بھی تمام دنیا کے علماء اور فضلاء کا ایسا مہری فتاویٰ میسر نہیں ہوسکتا۔

اور پھر رسالہ دبوس المقلدین جواب الجواب فؤس المحققین بھی کئی جز کا بدلائل روشن وبرّاہینِ مبرہن واجوبۂ دندان شکن زیادہ کیا گیا، اور بعد اس رسالۂ ہدایت مقالہ کے تنبیہ الآسی علی تشنیع الاناسی پر کتاب کا اختتام ہوا، جس میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو تابع الدرایۃ، فاقد الروایۃ، قلیل العربیہ، کہنے والوں کے منہ خاک ناپاک مذلتِ اسکات سے بھر دیئے گیے، اور آپ کی تصدیق کمالِ استعدادِ عربیت وتبعیتِ سنّت وتنقیدِ روایت پر قصیدۂ نعتیہ خطابیہ نعمانی کی فصاحت و بلاغت اور سنن ابی حنیفہ کی فقاہت و روایت کے دوشاہد عادل قائم کردیئے گیے"۔

حضرات سلفِ کرام کی یہ کریمہ عادت رہی کہ ان کے دریائے بیان وتحریر کے درمیان کسی فائدہ کا ذکر آجاتا تو اس کو ذکر دیتے۔ حضرت علامہ امام عبدالعلی مدراسی قدس سرہٗ نے مسئلہ تقلید کی معرکۃ الاراء بحث لکھی اور حضرت علامہ امام ناقد آثار حبیب وصی احمد محدث سورتی نے اس کے متعلق جو بیان تحریر کیا اس کے پیش نظر اس بحث کو تمام کمال مندرج کیا جاتا ہے:

"غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ شرک و بدعت ہے اور واجب الترک، اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اپنی سنت اور کلام الٰہی کے اتباع کے کسی دوسرے شخص کی تقلید کرنے کا حکم نہیں فرمایا اور بجز حدیث وقرآن کے ہم کو دوسرا راستہ نہیں بتایا، حالانکہ انہوں نے [وہابیوں نے] اس مسئلہ میں بڑا دھوکا کھایا کہ راہ سنت نبوی کو نہ پایا، بلکہ سوائے ان دونوں کے کسی کی پیروی اور تقلید نہ کرنے کا اس حدیث شریف کے خلاف حکم لگایا اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقلید کرنے کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کا خاص نام لے کر بخطاب عام ارشاد فرمایا، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، عَنِ ابنِ مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقتدوابالذين من بعدى ابو بكر عنه[اخرج هٰذا الحديث الترمذى من طريق عبدالملك بن عمير عن ربعى هو ابن حراش عن حذيفه مرفوعًا اقتدوا بالذين من بعدى ابى بكر وعمر قال وفى الباب عن ابن مسعود هذا حديثٌ حسنٌ وروىٰ سفيان الثورى هذا الحديث من عبدالملك بن عمير عن مولًى لربعى عن حُذيفه عن النبى صلى الله عليه وسلم لاادرى ماقدر بقائى فيكم فاقتدوا بالذين من بعدى و اشار الىٰ ابى بكر و عمر قال وقدروى هذاالحديث من غير وجيه ايضًا عن ربعى عن حُذيفه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال على القارى والحديث بعينه رواه احمد والترمذى و ابن ماجه وغيرهم عن حذيفه و وجه تخصيص الشيخين مِن بين الخلفاء الاربعه وسائر الصحابه مع ورودحديث اقتدوا الخلفاء

الرّاشدین المھدیین حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم بعینہٖ فی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ وقال وفی الجامع اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر رواہ احمد الترمذی و ابن ماجہ و زاد الحافظ ابو نصر القصار فانھما حبل اللہ المدود فمن تمسك بھما تمسك بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا ۱۲]

اور نیز دوسری روایت میں ہے عن حذیفۃ الیمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمرو اھتدوا بھدی عمّار و مسکوا بعھد بن ام عبد] اخرجہ الترمذی فی مناقبِ عمار بن یاسر مِن طریق سفیان عن عبد الملك بن عمیر عن مولیٰ لربعی بن حراش عن حذیفہ قال کنا جلوسًا الی ما قال وھتدوا بھدی عمار و ماحد ثکم ابن مسعود فصدقوہ] اس حدیث میں تو حضرت ابوبکر و عمر و عمار وابن ام عبد الغنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی اقتداء اور پیروی اور اتباع اور تقلید کرنے کا حکم ہے نام بنام وارد ہے، بلکہ تقلید خلفائے راشدین کے واسطے یہ تیسری حدیث وارد ہے، فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین لمھدین اور ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولیس المراد انتفاء الخلافۃ غیرھم حتی ھٰھنا فی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یکون فی امتی اثنا عشیر خلافۃٌ بل المراء تصویب رائیھم و تفخیم المرھم، بل ھم ومن علیٰ سیرتھم من أئمۃ الاسلام المجتھدین فی الاحکام فانھم خلفاء الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فی احیاء الحق و ارشاد الخلق واعلاء الحق و کلمۃ الاسلام۔

بس اس شرح سے خلفائے راشدین و دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت تخصیصِ تقلید کا شبہ بھی دفع ہو گیا بلکہ تقلید اور اتباع کا حکم تابعین و تبع تابعین و دیگر مجتہدین ائمہ دین کے عام رہا"۔

حضرت علامہ محمد عبدالعلی آسی قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ دبوسُ المقلدین کا بیان لکھا ہے، قدرے واجب اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے وہابیوں کی بدزبانی کے علاوہ یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ حضرات ائمہ اخیار علماء کبار فرنگی محلی دارالعلوم والعمل نے احقاق حق اور ابطالِ ضلالتِ عقائد وہابیہ کس جدوجہد اور سرگرمی سے کیا اور اس کی آواز ہر چہار جانب گونجی۔

حضرت مدراسی نے عربی کا پہلا رسالہ البیان جاری کیا جو مدتوں جاری رہا۔

حضرت مولانا محمد عبدالعلی مدارسی کو عربی زبان پر غیر معمولی قدرت تھی، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدائح میں اُن کے بہت سے عربی قصیدے ہیں حضرت ممدوح نے اپنے معاصروں کی وفات کے بعد قطعات تاریخی لکھے تھے، اپنے اُستاذ فخر المتاخرین علامہ امام محمد عبدالحئی فرنگی محلی کی وفات پر عربی میں تاریخ کہی اغلب ہے کہ خود ہی کتبہ تیار کیا ہو وہ حضرت فرنگی محلی کی تربت پر سرہانے نصب ہے، حضرت مدراسی کا ۱۳۲۷ / ۲۲ جولائی ۱۹۰۹ء میں وصال ہوا، آپ کے ایک فرزند مولانا عبدالقوی فانی شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی میں اُستاذ عربی و فارسی تھے، دوسرے فرزند شمس العلماء علامہ عبدالغنی صدر شعبہ فارسی و عربی ناگ پور یونیورسٹی تھے۔

□□□

"الرضا" رسالہ نہیں تحریک ہے!

اس کا ممبر بنیں، تعاون کریں!

لوگوں کو اس کی طرف مائل کریں!

اور مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت میں

ہمارا ہاتھ بٹائیں!

رابطہ نمبر

۸۵۲۱۸۸۹۳۲۳ / ۹۸۳۵۴۲۳۴۳۴

مرکزی ادارہ شرعیہ کے

امین شریعت سوم حضرت مفتی عبدالواجد قادری: چند یادیں

مفتی حامد القادری غفرلہ
جامعہ مدینۃ العلوم پھکولی شریف مظفر پور

قرآن پاک کے تیرہویں پارہ سورہ ابراہیم میں ہے، **وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ**۔ لوگوں کو اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ۔ جب اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کے محبوبان بارگاہ سے نسب وتعلق رکھنے والے دنوں کی یاد دلانا منانا مطلوب ومطالبۂ قرآن سے پاک ہے تو جو لوگ حکم خداوند قدوس پر عمل کر کے ان دنوں کی یاد دلاتے ہیں یقیناوہ بھی خداوند قدوس کی بارگاہ میں عزت وعظمت والے ہیں۔ پوری دنیا میں صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، مجتہدین، محدثین مفسرین، علمائے شریعت اور اولیائے طریقت کے ذکر جمیل کی جو گونج سنائی دے رہی ہے وہ اسی یاد دلانے کی برکات وثمرات ہیں۔ یقیناوہ حضرات لائق صد ستائش وقابل ہزار مبارک باد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنوں سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا ذکر کر کے انہیں زندۂ جاوید بنانے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

عصر حاضر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے پسندیدگی کی سند حاصل کرنے والے مقدس مذہب اسلام خدا کی نازل کردہ کتاب قرآن مقدس اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول حضور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ کو اپنی زبان وقلم سے بار بار ذکر کرنے والوں میں ایک نام امین شریعت ثالث مفتی اعظم ویورپ حضرت علامہ عبدالواجد قادری رضوی مدظلہ العالی کا بھی ہے جو اہل علم وفضل میں اعتبار واعتماد کا شرف حاصل کر چکا ہے۔ آپ بہار میں پیدا ہوئے لیکن آپ کے علمی فیضان نے دنیا کے بہت سارے گوشوں میں دین وسنیت کی اشاعت، لوگوں میں مذہبی بیداری پیدا کرنے اور خواص وعوام کو علمی وعملی سرگرمیوں سے ہم آہنگ کرنے میں زریں کارنامہ انجام دیا۔ فالحمد اللّٰہ علی ذٰلک۔

۱۹/فروری ۱۹۳۴ء کو حضرت امین شریعت اپنے نانیہال ضلع دربھنگہ میں پیدا ہوئے، چار سال چار ماہ چار دن کی عمر میں آپ کے والد گرامی حضرت الحاج الحافظ عبدالاحد قادری علیہ الرحمہ نے رسم بسم اللہ خوانی ادا کی۔ اس بزم مقدس میں عوام وخواص کی کثیر تعداد موجود تھی خاص طور پر اس زمانے کے مشہور ومعروف بزرگ حضرت نعمت شاہ عرف خاکی بابا بھی شریک بزم ہوئے آپ کے بعد کے اساتذہ میں حضرت علامہ حکیم نظام الدین حبیبی الہ آبادی، مولانا عبدالرب حبیبی، خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی، مولانا عبدالرشید صاحب چھپراوی اور مولانا باقر علی گیاوی کے نام شامل ہیں۔ ۶/۱۳۷۷ھ مطابق مارچ ۱۹۵۷ء کو عرس حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ میں آپ سند ودستار سے نوازے گئے۔ بعد فراغت حضور مفتیٔ اعظم عالم حضرت مصطفےٰ رضا علیہ الرحمۃ سے تربیت افتا حاصل کی۔ متعدد مدارس میں تعلیم وتدریس وافتاء کی خدمات دیتے ہوئے ۱۹۷۹ء میں آپ مرکزی ادارۂ شرعیہ پٹنہ میں بحیثیت صدر مفتی بحال ہوئے اور ۱۹۸۴ء تک خدمت افتاء انجام دیتے رہے۔ اب کئی سالوں سے بحمہٖ تعالیٰ امین شریعت کی حیثیت سے اپنے علمی فیضان کا باڑہ بانٹ رہے ہیں۔

میں نے امین شریعت کو دیکھ کر جانا سن کر جانا، اور پھر پڑھ کر جانا، جاننے کے تینوں ذرائع میرے سامنے جو پیکر تراشا وہ پیکر مرد مومن کا تھا۔ جس پیکر میں سنت وشریعت کی پابندی وپاکیزگی تھی۔ تقویٰ وطہارت کی دل آوری تھی۔ علم وفضل کی گہرائی وگیرائی تھی۔ فہم وتدبر اور عقل وفکر کی بالیدگی تھی اور کردار عمل کی خوشبو اور روشنی تھی۔ میں نے مفتی صاحب کو اپنے مرکز عقیدت حضور محبوب الاولیاء سیدنا سرکار تیغ علی علیہ الرحمہ کے عرس پاک میں سرکا تھتیاں شریف

کے مرید مخلص جناب الحاج محمد اختر حسین صاحب قادری تیغی کے دولت کدہ پر منعقدہ جلسۂ آسنسول میں دیکھا۔حضرت غوث بنگالہ کے عرس پاک کی تقریبات میں رانی گنج میں دیکھا۔اور پھر ادارۂ شرعیہ پٹنہ کی جلوہ گاہ میں بار بار دیکھا۔الحمدللہ جہاں بھی دیکھا عالمانہ شان ووقار اور مصلحانہ کردار واطوار کی جھلک صاف نمایاں نظر آئی۔

آسنسول کے جلسہ کا منظر آج تک میری نگاہوں میں رچا بسا ہے۔غالباً ۹۲۔۱۹۹۱ کی بات ہے حضرت امین شریعت اسٹیج پر تشریف لے جا چکے تھے۔وہ تازہ تازہ یورپ، ترکی، عراق، اور مدینہ طیبہ ومکہ معظّمہ کی زیارتوں سے فیض یاب ہوکر تشریف لائے تھے اور آپ اپنی تقریر میں روداد سفر ہی بیان فرمانے والے تھے۔میں کچھ دیر قیامگاہ سے باہر آیا۔حضرت مفتی صاحب نے جیسے ہی مجھے دیکھا فوراً اسٹیج سے اتر گئے اور میری طرف تیزی سے لپک کر بڑھے سلام ومصافحہ ومعانقہ کی سنتوں کی ادائیگی کے بعد اب باری آئی اسٹیج پر چڑھنے کی۔حضرت مفتی صاحب پہلے مجھے اسٹیج پر چڑھنے کا اصرار کر رہے تھے اور میں پہلے حضرت کے لئے ضد کر رہا تھا کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا۔اب اوپر جا کر بیٹھنے کے لئے حضرت کا اصرار یہ کہ حامد تم بائیں بیٹھو میں دائیں بیٹھونگا اس کے برعکس میری الگ ضد بہر حال یہ معاملہ بھی طے پایا گیا۔

بنو پہلے خادم تو مخدوم ہوگے
بڑھادے گی عزت ذلت تمہاری

جہاں تک سن کر جاننے کی بات ہے تو اس سلسلے میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ میں ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۴ء تک دارالعلوم علیمیہ انوارالعلوم دامودر پور میں زیر تعلیم رہا۔ادارہ کی لائبریری میں ملک کے بہت سے رسالے آئے تھے ان میں ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، نوری کرن بریلی شریف، ماہنامہ پاسبان الہ آباد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔میں چونکہ عصر ومغرب کے درمیان لائبریرین کی خدمات انجام دیتا تھا اس لئے سارے رسالے میرے مطالعہ میں رہتے تھے۔نیرۂ اعلیٰ حضرت مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا جیلانی میاں علیہ الرحمہ کی روداد سفر خاص طور سے ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں شائع ہوا کرتی تھی۔حضرت جیلانی بہار، نیپال، مغربی بنگال پور آسام وغیرہ کے دوروں میں اکثر حضرت امین شریعت ثالث کا ساتھ ہوا کرتا تھا اور جیلانی میاں بہت محبت سے امین شریعت کا تذکرہ کرتے تھے، اساتذہ کے ساتھ طلبہ کے درمیان بھی حضرت مفتی صاحب کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا۔اس طرح اپنے اساتذہ کی زبانی سن کر میں نے یہ جان لیا کہ دین کی خاطر راستہ کی صعوبتوں کو برداشت کرنے والوں میں حضرت مفتی عبدالواجد صاحب کی بھی ذات تھی اور شریعت وسنیت کی خدمت واشاعت میں وہ ابتدا ہی سے پیش پیش رہے۔

حضرت مفسر اعظم ہند کی بات آ گئی تو بر سبیل تذکرہ دامودر پور کے ایک جلسہ کا تصور میرے ذہن وفکر کو روشن کر گیا، دارالعلوم علیمیہ کے احاطہ میں رات میں جلسہ ہوا جس میں حضرت مفسر اعظم ہند کی بڑی شاندار تقریر ہوئی۔حضرت علیہ الرحمہ نے آیت قرآنی کی تلاوت فرما کر واضح فرمایا کہ مسلمانوں کی روش سے ہٹ کر اپنی الگ راہ بنانے والا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کرنے والا جہنمی ہے۔نماز فجر کے بعد جب وہ مدرسہ سے آگے کے سفر پر نکلنے والے تھے تو سارے طلبہ ومدرسین حضرت علیہ الرحمہ سے ملنے لگے۔اس وقت ہم طلبہ میں شیر نیپال حضرت مفتی جیش صاحب بھی تھے۔حضرت مفسر اعظم نے طلبہ سے سوال کیا کہ رات کی تقریر میں انہوں نے کیا بیان فرمایا تھا اس کا کوئی حصہ کوئی طالب علم بیان کر لے۔میں نے بحمدہٖ تعالیٰ حضرت کی تقریر کا کچھ حصہ بیان کیا تو بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔شیر نیپال سامنے تھے ان سے نام پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میرا نام محمد جیش ہے پھر سوال ہوا کہ یہ کیسی ترکیب ہے تو شیر نیپال نے فرمایا کہ یہ اضافت لغوی ہے۔یہ سن کر حضرت نے انہیں بھی دعاؤں سے نوازا۔

اب پڑھ کر جاننے کا کچھ احوال بیان ہو جائے، اس وقت میرے پیش نظر حضرت امین شریعت کی دو کتابیں کائنات آرزو اور فتاویٰ یورپ موجود ہیں۔کتاب کا مصنف اگر دیانت دار اور ذمہ دار ہوتا ہے تو اس کے قلم کی ایک ایک بوند گلستان شریعت اور بوستان علم وعمل کی آبیاری کا سامان بن جاتی ہے لیکن مصنف اگر غیر ذمہ دار اور بے توفیق ہے تو اس کے قلم کی سیاہی کتنے انسانوں کی قسمت کا سیاہی اور آخرت کو تیرگی بخشتی ہے۔

قلم کی خیانت وبد دیانتی کی ایک جھلک ذیل میں ملاحظہ ہو:

ایک ماہ سے میرے بستر پر چار کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔ان کتابوں کے مصنف بلکہ متصنف نے صحیح مسلم شریف کو علامہ وحید الزماں ، ترمذی

شریف اردو مترجم کو مولانا بدیع الزماں اور سنن ابوداؤد مترجم اردو کو مولانا وحید الزماں کی تصنیف و تالیف قرار دیا۔ اتنے بڑے ڈاکہ پر کسی قاسمی مولوی نے مصنف کو تنبیہ نہیں کی بلکہ نصف درجن قاسمی مولاناؤں نے ان کتابوں کو مستند اور معتبر کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کتاب قرار دیا۔ مذکورہ چاروں کتابوں میں جن کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں ان میں اہم سنت و جماعت کے علماء کی مندرجہ ذیل کتابیں ہیں۔

(۱) فتاویٰ رضویہ (۲) بہار شریعت (۳) انوار الحدیث (۴) احکام شریعت (۵) الملفوظ

بدعقیدہ علماء کی درجہ ذیل کتابیں حوالہ میں آئیں:

(۱) بہشتی زیور (۲) فتاویٰ دار العلوم (۳) فتاویٰ رشیدیہ (۴) امداد الفتاویٰ (۵) فتاویٰ رحیمیہ وغیرہ۔

علمائے اہل سنت کی کتابوں نے بیان کیا کہ نجاست جہاں لگے گی اس جگہ کو ناپاک کردے گی، اسلام کا کلمہ صرف ایک ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حق کے معیار ہیں، کو اخبیث اور حرام پرندہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی بالاستقلال و بلا واسطہ درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا جائے گا۔ ان سب قانون شرع کے برعکس علمائے دیوبند نے کہا لکھا اوچھایا کہ نجاست لگ جائے تو چاٹ کر پاک کرلیا جائے موضع نجاست بھی پاک ہوجائے گی اور منھ بھی پاک رہے گا۔ (ایسا لگتا ہے کہ بہشتی زیوروں کا منھ اسپیشل کوالٹی کا ہے جو نجاست پروف ہے معاذ اللہ) اسلام وحدت کلمہ والا مذہب نہیں ہے ایک اور نیا کلمہ اس میں شامل ہوگیا ہے لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ، مولوی رشید احمد گنگوہی معیار حق ہیں ان کی پیروی ہی نجات و ہدایت کی ضامن ہے، اہل اسلام کے یہاں کو اخبیث و حرام ہو تو علمائے دیوبند کے نزدیک تو وہ حلال بھی ہے اور اس کا کھانا ثواب کا باعث بھی ہے، علمائے دیوبند کے نزدیک اب درود کا صیغہ یہ ہوگا اللھم صل علیٰ سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی (معاذ اللہ ثم استغفر اللہ)

قاسمی مولاناؤں کی بوالعجبی سطور بالا سے ظاہر ہوگئی۔ یا تو علمائے اہل سنت کی کتابیں مستند و معتبر ہوں گی تو علمائے دیوبند کی کتابیں غیر معتبر و غیر مستند ہوں گی۔ یا مذکورہ آخر مستند و معتبر ہوں گی تو مذکورہ الصدر غیر معتبر و غیر مستند ہوں گی۔ علمائے دیوبند نے عقائد و ایمانیات کے معاملہ میں پیش اسی طرح کی ٹھوکریں کھائی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں حق و ہدایت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

میرے ممدوح حضرت امین شریعت بحمدہٖ تعالیٰ اپنے تمام اکابرین ملت و اساطین کی روش پر چلتے ہوئے نہایت جنچی تلی کتابیں لکھتے ہیں اور سنت و شریعت سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔

کائنات آرزو کا مطالعہ کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ حضرت امین شریعت نے دوران سفر و سیاحت مظاہر قدرت اور مناظر فطرت کو گہری نظر سے دیکھا اور ان سے بھرپور استفادہ کیا اور کتاب لکھ کر تمام دنیا کے اہل عقل و شعور کو بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع عطا فرمایا۔ جس لذت و کیفیت سے سرشار ہوا کہ حضرت نے روداد سفر بیان فرمائی اس سے ہمیں سبق ملتا ہے اسے درجہ ذیل خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ابن تیمیہ کی فکری آوارگی اور اعتقادی ارتداد کی پوری وراثت بن عبدالوہاب نجدی کو حاصل ہوئی اور ہندوستان میں اسکے زہریلے اثرات مولوی اسمٰعیل دہلوی نے پھیلائے۔ اہل حق ہمیشہ ان لوگوں کی بکواسوں کا مدلل اور مسکت جواب لکھ کر چھاپتے رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تا ہنوز عقائد حقہ اور افکار و نظریات اسلامی کو اپنے سینے سے لگائے اور محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کے دوران سفر انبیاء کرام و اولیائے کے عظام کے آستانوں کی حاضری سے یہ معلوم ہوا کہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی عزت و عظمت کا آفتاب آج بھی آسمانوں کی بلندیوں پر چمک رہا ہے۔ جس سے کسب ضیا کے لئے ہزاروں لاکھوں کی بھیڑ پروانوں کی طرح شب و روز نثار ہو رہی ہے۔

(۲) جن ممالک سے حضرت امین شریعت کا گذر ہوا۔ ہر جگہ مسجدوں میں اذان خانوں میں اور ذکر کی محفلوں میں درود و سلام کی روح پرور اور ایمان افروز گونج سامعہ نواز ہوئی۔

(۳) تمام مخصوص مقامات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کرام، صحابۂ عظام اور اولیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام سے تعلق و نسب رکھنے والی چیزوں کی نہایت احترام و عظمت و بے پایا اہتمام و انصرام کے ساتھ ذخیرہ اکٹھا کیا گیا ہے۔

(۴) ایک سعودی عرب کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اللہ والوں کے مزارات پر چادر پوشی کا عام دستور ہے۔

(۵)نام اقدس حضور سید عالم ﷺ سن کر انگوٹھا چومنا برصغیر کے حقیقی اصلی مسلمانوں کا ہی شیوہ نہیں ہے بلکہ پوری دنیا کے مسلمان اس مقدس عمل پر کاربند ہیں۔

(۶)نماز باجماعت سے پہلے بوقت تکبر ساری دنیا کے مسلمان بیٹھ کر تکبیر سنتے اور حی علی الصلاۃ وحی علی الفلاح پر کھڑے ہوتے ہیں۔

(۷)نجدی وہابی عقیدہ کے خلاف انبیاء کرام واولیائے عظام کو حرف ندا سے پکارا جاتا ہے اوران سے مصیبت میں مدد مانگی جاتی ہے۔

(۸)دوسرے ممالک میں پنج وقتی اور جمعہ کی اذانیں مسجد کے باہر سے دی جاتی ہیں۔

(۹)دوسرے ممالک کے لوگ ہر نماز باجماعت کی ادائیگی کے بعد آپس میں سلام ومصافحہ کرتے ہیں۔

(۱۰)بعض مقامات پر مذہبی عمارتوں پر یا ابا بکر الصدیق یا عمر الفاروق یا عثمان الغنی یا علی وغیرہٗ لکھے ہوئے نظر آئے۔

(۱۱)درود ابراہیمی میں حضور سید عالم ﷺ کا نام اقدس نہایت ادب سے لیا جاتا ہے یعنی اللھم صل علیٰ سیدنا ونبینا محمد وعلیٰ ال سیدنا ونبینا محمد کما صلیت علیٰ سیدنا ابراہیم الخ یونہی اللھم بارک علیٰ سیدنا ونبینا محمد وعلیٰ ال سیدنا ونبینا محمد کما بارکت علیٰ سیدنا ابراہیم الخ۔

اب تھوڑی سی گفتگو فتاویٰ یورپ کے ضمن میں کرنا میں مناسب سمجھتا ہوں ہم جب علم وفضل اور ذہانت وفطانت نیز فقہی وفنی گہرائی کا جائزہ لینے کے لئے حضرت امین شریعت کے فتاویٰ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی قرار واقعی شخصیت کے آئینے میں آجاتی ہے اور ذہن وفکر کے تمام گوشے روشن ومنور ہوجاتے ہیں۔دلائل وبراہین کی مضبوطی کے ساتھ جن مسائل کو شرعی مفاہیم اور مذہبی مقاصد کی روشنی میں واضح کیا ہے ان میں سے چند کا تذکرہ میرے دعویٰ کو ثابت کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

(۱)لفظ سنی اور اہل سنت وجماعت کی تعریف آپ نے یوں فرمائی ''لفظ سنی اہل سنت وجماعت کا مخفف ہے جب مذہب کے تعلق سے یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد اہل سنت وجماعت ہی ہوتا ہے اور اہل سنت وجماعت اسے کہتے ہیں جو ما انا علیہ واصحابی کا مصداق ہو'' (ص ۶۳)

مذکورہ بالا تعارفی جملوں نے واضح کردیا کہ موجودہ دور میں باطل فرقے اپنے کو ہزار اہل سنت وجماعت سے کہیں وہ ہرگز اہل سنت وجماعت سے نہیں کیونکہ وہ سب ما انا علیہ اصحابی کی روش سے مکمل ہٹے ہوئے ہیں۔

(۲)پمپنگ سیٹ، نل ٹیوب ویل سے وضو کرنے والا وضو کے بعد تھوڑا پانی کھڑا ہوکر یا بیٹھ کر پی لے مندوب ومستحب کا ثواب حاصل ہوجائیگا۔(۱۳۰)

(۳)یورپ کے بہت سارے ممالک جہاں کبھی اسلامی قانون کا اجرا نہیں ہوا وہاں جمعہ وعیدین کی نماز کا قیام باطل ہے ظہر کی فرضیت مسلمانوں کے سروں سے نہیں ٹلتی اور مسلمان اس خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ نماز جمعہ کی وجہ سے نماز ظہر سے بری الذمہ ہوگیا حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں (ص ۱۸۳)

(۴)دیوبندی وہابی رافضی خارجی نیچری قادیانی مودودی تبلیغی وغیرھم کے مدارس میں زکوٰۃ وفطر کی رقمیں دینا حرام اوران کے دئے سے فطرہ وزکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک فقیر شرط ہے اور فقیر کا صاحب ایمان ہونا ضروری ہے اور وہاں تو ایمان ہی نہیں تملیک کیوں کر متحقق ہو (ص ۲۷۱)

(۵)موجودہ تلک وجہیز کے سلسلے میں اسلامی دستور کو واضح فرمایا ''زید ہوا وہوس کے صید نے اپنے بیٹوں کو جس رقم کے عوض بیچا وہ رقم خبیث وناجائز ہے اس رشوت کے سبب زید گنہگار مستحق عذاب نار ہوا (ص ۴۰۲)

(۶)اگر انسان کو نصف سینہ سے کاٹ دیا جائے تو وہ انسان زندہ نہیں رہتا تو گویا یہ فوٹو کسی بے جان جسم فوٹو قرار پائے گا جس کی شرع میں عند الحاجۃ اجازت ہے حاجت اور بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے ہمارے معتمد علیہم علمائے کرام نے پاسپورٹ، ویزا اور مختلف لائسنس کے لئے تصاویر مقطوعہ کی اجازت دی ہے لیکن اس اجازت کو حدود حاجت میں ہی رکھنا ضروری ہے۔(ص ۳۴۰)

(۷)زید کا خون ہندہ کے بدن میں کسی بیماری کے باعث چڑھایا گیا اس کی وجہ سے دونوں کا آپس میں نکاح کرنا حرام نہیں ہوگا کیونکہ خون وجہ حرمت نہیں (ص ۴۲۵)

(۸)مرغ کو ذبح کرنے کے بعد گرم پانی میں ڈال کر نکال لینے سے اس کی نجاست تھیلہ سے نکل کر گوشت میں سرایت نہیں کرسکتی ہے اس لئے اس کی ناپاکی کا حکم نہیں دیا جاسکتا (ص ۴۸۱)

مذکورہ بالا سطور سے حضرت امین شریعت کا وہ روپ سامنے آتا ہے جس کا بولنا بولنے کا طریقہ سکھاتا ہے جس کا چلنا آدمی کو چلنے کا شعور بخشتا ہے۔خداوند قدوس حضرت امین شریعت مدظلہ کو نظر بد سے محفوظ رکھے اور فیضانکا سرچشمہ ہر آن جاری وساری رہے آمین۔

لذیذ بود حکایت دراز تر فتیم
چناں کہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ونبینا محمد وعلیٰ اٰله وصحبه وبارك وسلم

□□□

مسمار ہوتی مساجد:
اور ہماری ذمہ داریاں

شفیق فیضی

بھارت میں گزشتہ برسوں کے دوران مساجد، مدارس، مزارات، قبرستانوں اور دیگر مذہبی ووقف املاک کے بارے میں ایک تشویش ناک صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ کسی مقام کو سرکاری زمین پر تجاوزات قرار دیا جاتا ہے، کسی کو غیر مجاز تعمیر کہا جاتا ہے، کسی کے کاغذات نامکمل نکلتے ہیں، کسی کا ریونیو ریکارڈ تبدیل ہو چکا ہوتا ہے، اور کہیں دہائیوں بلکہ صدیوں پرانے مذہبی مقامات اچانک انتظامی کارروائی کے نشانے پر آجاتے ہیں۔

ہر واقعے کے بعد ایک احتجاج ہوتا ہے۔ بیانات جاری ہوتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر غصہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ سیاسی جماعتیں ایک دوسرے پر الزام لگاتی ہیں۔ اور پھر چند دنوں بعد قوم اگلے واقعے کا انتظار کرنے لگتی ہے۔

لیکن اصل سوال یہ ہے کہ:

کیا صرف مذمت کر کے مساجد بچائی جاسکتی ہیں؟ کیا صرف احتجاج کر کے قبرستان محفوظ رہ سکتے ہیں؟ کیا صرف عدالت میں آخری لمحے میں پہنچ کر صدیوں پرانی وقف املاک کو بچایا جاسکتا ہے؟

اور سب سے اہم سوال:

کیا ہندوستانی مسلمانوں نے اپنی مذہبی املاک کے تحفظ کے لیے کوئی مستقل، منظم اور پیشگی نظام بنایا ہے؟ اگر اس سوال کا جواب ایمانداری سے دیا جائے تو حقیقت بہت تلخ ہے۔ ہم نے زیادہ تر معاملات میں حادثے کے بعد ردعمل کا طریقہ اختیار کیا ہے، جبکہ مخالف حالات کا مقابلہ صرف حادثے سے پہلے کی تیاری سے کیا جاسکتا ہے۔ مسئلہ صرف حکومت کا نہیں، ہماری تیاری کا بھی ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ بعض کارروائیوں کے طریقۂ کار، رفتار اور انتخابی انداز پر سنگین سوالات اٹھتے رہے ہیں۔ کئی مواقع پر مذہبی وسماجی تنظیموں اور متاثرہ افراد نے الزام لگایا کہ مناسب قانونی موقع دیے بغیر کارروائی کی گئی۔ لیکن اس حقیقت سے بھی نظریں نہیں چرائی جاسکتیں کہ بہت سی مذہبی املاک کے پاس اپنے مکمل قانونی اور دستاویزی ریکارڈ موجود نہیں ہیں۔ یہاں اصل کمزوری سامنے آتی ہے۔ ایک مسجد موجود ہے، مگر:

زمین کا اصل ریکارڈ کہاں ہے؟
خسرہ نمبر کیا ہے؟
کھتونی کس کے نام ہے؟
وقف رجسٹریشن نمبر کیا ہے؟
وقف ڈیڈ کہاں ہے؟
تعمیر کب ہوئی؟
تاریخی ثبوت کیا ہیں؟
پرانے نقشے کہاں ہیں؟
ریونیو ریکارڈ میں زمین کی نوعیت کیا درج ہے؟
کیا مسجد کا انتظامی ادارہ قانونی طور پر رجسٹرڈ ہے؟
کیا اس مقام کی تصاویر، ویڈیوز اور تاریخی شواہد محفوظ ہیں؟

اکثر صورتوں میں ان سوالوں کے جواب ایک جگہ موجود نہیں ہوتے۔ اور یہی خلا خطرناک بن جاتا ہے۔ غیر قانونی" کا الزام

صرف ایک لفظ نہیں، ایک قانونی جنگ ہے۔ کسی بھی مذہبی مقام کو غیر قانونی" قرار دینے کے لیے مختلف قانونی بنیادیں استعمال کی جا سکتی ہیں۔

مثلاً:

1۔ سرکاری زمین پر تجاوزات

انتظامیہ کہہ سکتی ہے کہ زمین حکومت کی ہے اور تعمیر غیر مجاز ہے۔

2۔ ریونیو ریکارڈ میں مذہبی مقام کا اندراج نہ ہونا

کئی پرانے مذہبی مقامات موجود ہوتے ہیں، لیکن جدید ڈیجیٹل ریکارڈ میں ان کی درست حیثیت موجود نہیں ہوتی۔

3۔ تعمیراتی اجازت کا مسئلہ

کسی تعمیر یا توسیع کو بلڈنگ بائی لاز کی خلاف ورزی قرار دیا جا سکتا ہے۔

4۔ وقف ریکارڈ کا نامکمل ہونا

مسجد یا قبرستان وقف کی حیثیت رکھتا ہو، لیکن متعلقہ دستاویزات اور رجسٹریشن مکمل یا قابل رسائی نہ ہوں۔

5۔ زمین کے ملکیتی تنازعات

ایک ہی زمین پر حکومت، وقف، نجی افراد یا دوسرے اداروں کے دعوے ہو سکتے ہیں۔

یہاں ایک بنیادی بات سمجھنا ضروری ہے:

مذہبی مقام کا مقدس ہونا اور زمین کے قانونی ریکارڈ کا مضبوط ہونا، دو الگ چیزیں ہیں۔ جذبات مذہبی تقدس کو ثابت کرتے ہیں۔ لیکن عدالت اور انتظامیہ کے سامنے دستاویزات قانونی حیثیت کو ثابت کرتی ہیں۔ اسی لیے مسجد کے تحفظ کی پہلی دیوار تقریر نہیں بلکہ ریکارڈ روم ہے۔

سپریم کورٹ کی ہدایات: بلڈوزر حکومت کی مرضی کا متبادل نہیں

سپریم کورٹ نے 2024 میں مسماری کی کارروائیوں کے حوالے سے اہم اصول وضع کیے تھے۔ عدالت نے واضح کیا کہ صرف کسی شخص کے جرم کے الزام یا انتظامی طاقت کی بنیاد پر مسماری کو سزا کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ عدالت کی ہدایات میں عام حالات میں پیشگی شوکاز نوٹس، مناسب وقت، متعلقہ فریق کو جواب اور قانونی چارہ جوئی کا موقع دینے جیسے اصول شامل ہیں۔ عدالت نے یہ بھی واضح کیا کہ انتظامیہ خود کو عدالت نہیں بنا سکتی۔ لیکن یہاں ایک نہایت اہم قانونی نکتہ موجود ہے جسے سمجھنا ضروری ہے۔

سپریم کورٹ کی عمومی حفاظتی ہدایات ہر قسم کی صورتحال میں ایک جیسی لاگو نہیں ہوتیں۔ عدالت نے عوامی مقامات، سڑکوں، فٹ پاتھوں، ریلوے لائنوں کے قریب علاقوں، آبی ذخائر اور بعض عدالتی احکامات سے متعلق معاملات کے لیے الگ قانونی صورتحال کا ذکر کیا ہے۔

اس کا مطلب کیا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ: صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ" سپریم کورٹ نے بلڈوزر روک دیا ہے" ہر کیس کے حقائق الگ ہوں گے۔ زمین کی نوعیت الگ ہوگی۔ قانون الگ ہوگا۔ عدالت کا حکم الگ ہوگا۔ اور اسی لیے ہر مسجد، مدرسے یا قبرستان کو اپنے مخصوص قانونی حقائق کے مطابق دفاع کرنا ہوگا۔ وقف املاک کا سب سے بڑا مسئلہ: موجودہ ملکیت نہیں، ثبوت کی کمزوری وقف املاک کے تحفظ کے لیے قانونی ڈھانچہ موجود رہا ہے اور وقف بورڈوں کو وقف جائیدادوں کی نگرانی اور تجاوزات کے خلاف کارروائی کے اختیارات دیے گئے ہیں۔ سرکاری معلومات کے مطابق وقف املاک کی ڈیجیٹلائزیشن، کمپیوٹرائزیشن اور GIS Mapping جیسے اقدامات بھی وقف املاک کے تحفظ کے لیے اہم سمجھے گئے ہیں۔

لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ:

قانون کا ہونا اور قانون کا استعمال ہونا دو مختلف چیزیں ہیں۔ ہزاروں املاک کا ریکارڈ بکھرا ہوا ہے۔ کچھ کاغذات متولی کے گھر میں ہیں۔ کچھ پرانے رجسٹروں میں ہیں۔ کچھ تحصیل کے ریکارڈ روم میں۔ کچھ وقف بورڈ کے پاس۔ اور کچھ ایسے ہیں جن کے متعلق صرف مقامی بزرگوں کو معلوم ہے کہ" یہ زمین ہمیشہ سے مسجد کی تھی۔" لیکن عدالت میں" ہمیشہ سے" کافی نہیں ہوتا۔

وہاں سوال ہوتا ہے:

اس کا ثبوت کیا ہے؟ سب سے پہلے کیا کرنا ہوگا؟ ایک قومی "Religious Property Protection Mission"

اب وقت آ گیا ہے کہ ہندوستانی مسلمان مساجد، مدارس، مزارات اور قبرستانوں کے تحفظ کو صرف مذہبی مسئلہ نہ سمجھیں بلکہ اسے ایک قومی دستاویزی، قانونی اور انتظامی منصوبہ بنائیں۔ ہر ضلع میں ایک مستقل ٹیم بنائی جائے۔ اس ٹیم کے چار شعبے ہوں۔ پہلا شعبہ: دستاویزات اور ریکارڈ ہر مسجد، مدرسے، مزار اور قبرستان کا ایک ڈیجیٹل اور فزیکل پروفائل تیار کیا جائے۔

اس میں شامل ہو:

زمین کے دستاویزات، رجسٹری، سیل ڈیڈ، وقف ڈیڈ، ریونیو ریکارڈ، کھتونی، خسرہ، نقشہ، پلاٹ نمبر، گاٹا نمبر، سابقہ ریکارڈ، مذہبی و تاریخی ثبوت، پرانی تصاویر، تاریخی کتابوں کے حوالے، پرانے اخبارات، گزیٹیئر، سرکاری ریکارڈ، قدیم نقشے، مقامی تاریخی دستاویزات، انتظامی ریکارڈ، مسجد کمیٹی، مدرسہ انتظامیہ، ٹرسٹ، وقف رجسٹریشن، بینک ریکارڈ، ٹیکس یا دیگر سرکاری دستاویزات، ہر مذہبی مقام کا ایک Legal Identity File ہونا چاہیے۔

اور اس فائل کی کم از کم تین محفوظ کاپیاں ہونی چاہئیں:

مقامی سطح پر

ضلعی قانونی مرکز میں

محفوظ ڈیجیٹل سرور یا کلاؤڈ میں

دوسرا شعبہ: Legal Emergency Response System

آج سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ نوٹس آنے کے بعد لوگ وکیل تلاش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ ہر ضلع میں پہلے سے ایک Legal Response Panel ہونا چاہیے۔

اس میں شامل ہوں:

سینئر وکیل، ریونیو قانون کے ماہر، وقف قانون کے ماہر، سول مقدمات کے وکیل، آئینی قانون کے ماہر، دستاویزات کے ماہر، جیسے ہی کسی مسجد یا قبرستان کو نوٹس ملے:

پہلے 24 گھنٹے میں: نوٹس کی قانونی جانچ، متعلقہ قانون کی شناخت، زمین کے ریکارڈ کی جانچ، جواب کی تیاری، ضروری ہو تو فوری عدالت سے رجوع۔

پہلے 48 گھنٹے میں:

تمام متعلقہ دستاویزات اکٹھی، مقامی انتظامیہ کو تحریری جواب، وقف بورڈ، اور متعلقہ اداروں کو اطلاع، قانونی حکمت عملی تیار،

پہلے 72 گھنٹے میں:

اگر خطرہ فوری ہو تو مناسب عدالت میں قانونی تحفظ کی درخواست، تمام کارروائی کا تحریری اور تصویری ریکارڈ، قانونی جنگ میں تاخیر اکثر شکست کی پہلی وجہ ہوتی ہے۔

تیسرا شعبہ: زمین اور ریکارڈ کا ڈیجیٹل نقشہ

ہر ضلع کے مسلمانوں کو اپنی تمام مذہبی املاک کی GIS Mapping کرنی چاہیے۔ یہ کوئی غیر معمولی منصوبہ نہیں ہے۔ آج موبائل اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے ذریعے ہر مقام کا:،

مقام، حدود، رقبہ، تصاویر، ویڈیو، دستاویزات، محفوظ کیے جا سکتے ہیں۔

ایک مرکزی نظام بنایا جائے جس میں یہ معلومات محفوظ ہوں۔

مثلاً: "Muslim Religious Property Protection Registry"

یہ کوئی جذباتی منصوبہ نہیں بلکہ ایک Data Infrastructure Project ہوگا۔ جب تک آپ کے پاس اپنے اثاثوں کا ڈیٹا نہیں، آپ ان کا دفاع مؤثر طریقے سے نہیں کر سکتے۔ جس قوم کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے پاس کیا ہے، وہ یہ بھی نہیں جان سکتی کہ اس سے کیا چھینا جا رہا ہے۔

چوتھا شعبہ: مقامی نگرانی

ہر مسجد کے لیے صرف امام اور مؤذن کافی نہیں۔ ہر مسجد کو ایک

Property Protection Committee بھی چاہیے۔

اس کمیٹی کے کم از کم پانچ افراد ہوں:

ایک قانونی شخص

ایک ریونیو ریکارڈ سمجھنے والا شخص

ایک مقامی ذمہ دار

ایک دستاویزات کا ذمہ دار

ایک نوجوان ڈیجیٹل ریکارڈ کا ذمہ دار

ان کا کام عبادت کے معاملات میں مداخلت نہیں بلکہ صرف Property Protection ہونا چاہیے۔

قبرستان سب سے زیادہ خطرے میں کیوں ہیں؟

قبرستانوں کا مسئلہ مساجد سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ کیونکہ بہت سے قبرستان: غیر محفوظ ہیں، چار دیواری نہیں رکھتے، زمین کی حدود واضح نہیں۔ ریونیو ریکارڈ میں غلط اندراج موجود ہے۔ آس پاس تجاوزات ہو چکی ہیں۔ سب سے خطرناک صورتحال وہ ہے جب قبرستان زمین کے نقشے میں موجود نہ ہو۔

اس لیے فوری طور پر:

ہر قبرستان کے لیے مکمل سروے، حدود کی نشاندہی، GPS Mapping، ریونیو ریکارڈ کی تصدیق، چار دیواری، جہاں قانونی طور پر ممکن ہو، واضح شناختی بورڈ، وقف یا متعلقہ قانونی ریکارڈ، ضروری ہے۔ قبرستان کو صرف مردوں کی جگہ سمجھنا سب سے بڑی غلطی ہے۔ یہ زندہ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

مدرسوں کو صرف تعلیمی ادارہ نہیں، قانونی ادارہ بھی بننا ہوگا۔ بہت سے مدارس برسوں سے چل رہے ہوتے ہیں، لیکن ان کے پاس:

زمین کے مکمل کاغذات

عمارت کی منظوری

ٹرسٹ یا وقف ریکارڈ

تعلیمی رجسٹریشن

بلڈنگ پلان

میں کمزوریاں ہو سکتی ہیں۔ یہاں ایک سخت لیکن ضروری بات کہنا ہوگی: مذہبی خدمت نیک نیتی سے چل سکتی ہے، مگر ادارہ صرف نیک نیتی سے محفوظ نہیں رہتا۔ اس کے لیے: Accountant چاہیے۔ Lawyer چاہیے۔ Documentation Officer چاہیے۔ Property Manager چاہیے۔ ہر بڑے مدرسے کو اپنی انتظامیہ میں کم از کم ایک قانونی اور دستاویزی شعبہ قائم کرنا چاہیے۔ احتجاج ضروری ہے، مگر احتجاج حکمت عملی نہیں۔ کسی مسجد کے گرائے جانے پر احتجاج ہونا فطری ہے۔ لوگوں کا غم اور غصہ جائز انسانی ردعمل ہے۔

لیکن ایک سوال خود سے پوچھنا چاہیے:

کیا احتجاج مسجد گرنے سے پہلے ہوا تھا؟ اگر جواب نہیں ہے تو ہمیں اپنا طریقہ بدلنا ہوگا۔ مسجد گرنے کے بعد احتجاج کرنے کے بجائے: مسجد کے محفوظ رہنے تک کام کرنا ہوگا۔

اس کے لیے Emotion → Documentation → Legal Action → Public Communication یہ ترتیب ہونی چاہیے۔ نہ کہ:

[Silence] [Protest] [Anger] [Demolition] Next Demolition

میڈیا کی جنگ بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ مذہبی املاک کے معاملے میں ایک بڑی جنگ بیانیے کی بھی ہوتی ہے۔ جب کوئی واقعہ سامنے آتا ہے تو فوری طور پر ایک مخصوص فریم تیار ہو جاتا ہے:

"Illegal Structure Removed"

اور معاملہ ختم۔ لیکن صحافت کا کام صرف سرکاری بیان دہرانا نہیں۔ سوال ہونا چاہیے:

غیر قانونی قرار دینے کی بنیاد کیا تھی؟

زمین کا اصل ریکارڈ کیا کہتا ہے؟

کیا فریق کو نوٹس ملا؟

کیا جواب کا مناسب موقع دیا گیا؟

کیا عدالت سے رجوع کا وقت ملا؟

کیا وقف بورڈ فریق تھا؟
کیا تاریخی ثبوت دیکھے گئے؟
کیا مسماری کا مخصوص قانونی حکم موجود تھا؟

سہارنپور کے حالیہ معاملے میں بھی انتظامیہ اور مسجد انتظامیہ کے بیانات میں قانونی طریقۂ کار کے بارے میں واضح اختلاف سامنے آیا، جو اس بات کی ضرورت کو مزید نمایاں کرتا ہے کہ ایسے معاملات میں جذبات کے بجائے دستاویزات اور عدالتی ریکارڈ کی بنیاد پر حقائق کی جانچ کی جائے۔

سب سے بڑا حل: ہر ضلع میں "مسجد و وقف ڈیفنس سیل"

میری رائے میں ہندوستان بھر میں ایک منظم ماڈل قائم ہونا چاہیے۔District Religious Property Defence Cell

اس کے تحت ہر ضلع میں:

Legal Wing, قانونی مقدمات اور نوٹس, Documentation Wing, تمام ریکارڈ اور ثبوت, Survey Wing, زمین، نقشہ اور حدود، Media Wing، حقائق پر مبنی عوامی رابطہ، Emergency Wing، فوری خطرے کے وقت کارروائی، Research Wing، قوانین اور عدالتی فیصلوں کی تحقیق، یہ ادارہ کسی ایک سیاسی جماعت کا نہیں ہونا چاہیے۔ نہ کسی ایک شخصیت کے گرد ہونا چاہیے۔ بلکہ: Community Institution ہونا چاہیے۔

وقف بورڈوں کو بھی بدلنا ہوگا، وقف بورڈوں کا بنیادی کردار صرف تنازعات کے بعد مقدمات لڑنا نہیں ہونا چاہیے۔ ان کا سب سے اہم کام ہونا چاہیے Preventive Protection: یعنی: مقدمہ ہونے سے پہلے حفاظت۔ ہر وقف جائیداد کی GIS، Survey، Digital File: Encroachment Verification، Revenue Map، Litigation Status، Status موجود ہونا چاہیے۔

اگر وقف بورڈ کو خود معلوم نہیں کہ اس کی کتنی جائیداد کہاں ہے تو پھر وہ اسے کیسے بچائے گا؟

ایک قومی قانونی فنڈ کیوں ضروری ہے؟

قانونی جنگ مہنگی ہوتی ہے۔ ہر چھوٹی مسجد کے پاس سینئر وکیل کرنے کے وسائل نہیں ہوتے۔ اسی لیے ایک: National Religious Property Legal Defence Fund, بنایا جانا چاہیے۔ اس فنڈ کا استعمال: فوری قانونی مدد، دستاویزات کی تیاری، زمین کا سروے، ماہر وکلاء، تحقیق، ڈیجیٹل ریکارڈ، کے لیے ہو۔

لیکن اس فنڈ کی سب سے اہم شرط ہونی چاہیے:

مکمل شفافیت

فنڈ جذبات سے جمع ہوتا ہے۔
لیکن اعتماد صرف حساب سے قائم رہتا ہے۔

عام مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

ہر مسلمان کو یہ سمجھنا ہوگا کہ مسجد کی حفاظت صرف امام، متولی یا کمیٹی کی ذمہ داری نہیں۔ اگر آپ کے علاقے میں مسجد ہے تو آپ کو کم از کم یہ معلوم ہونا چاہیے: زمین کس کے نام ہے؟ مسجد وقف ہے یا نہیں؟ ریکارڈ کہاں موجود ہے؟ کمیٹی قانونی طور پر کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اگر نوٹس آئے تو وکیل کون ہوگا؟ یہ سوال پوچھنا کسی کے خلاف بغاوت نہیں۔ یہ ذمہ داری ہے۔

سب سے تلخ حقیقت

ہم نے مسجد کو عبادت گاہ تو سمجھا، لیکن اکثر اسے Institution نہیں بنایا۔ ہم نے مدرسے کو علم کا مرکز سمجھا، مگر اسے Compliance System نہیں دیا۔ ہم نے قبرستان کو مقدس جگہ سمجھا، مگر اس کی Land Security نہیں کی۔

ہم نے وقف کو اللہ کے نام کی جائیداد کہا، مگر اس کا Asset Management System نہیں بنایا۔ اور اب جب زمینیں خطرے میں ہیں تو ہم صرف یہ پوچھ رہے ہیں: انہیں بچائیں کیسے؟ جواب یہی ہے: انہیں جذبات سے نہیں، نظام سے بچایا جائے گا۔

ایک نئی حکمت عملی کی ضرورت

اب ہندوستانی مسلمانوں کو تین مرحلوں میں کام کرنا ہوگا۔

مرحلہ اول: شناخت ہر مذہبی مقام کی مکمل فہرست۔

مرحلہ دوم: دستاویزات ہر مقام کا مکمل قانونی ریکارڈ۔
مرحلہ سوم: دفاع ہر ضلع میں فوری قانونی اور انتظامی ردعمل۔

یہی مستقبل کا راستہ ہے۔

آخری بات: بلڈوزر سے پہلے فائل تیار ہونی چاہیے۔ جب بلڈوزر پہنچتا ہے تو اکثر بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ اصل جنگ اس دن شروع نہیں ہونی چاہیے جب پولیس مسجد کے باہر کھڑی ہو۔ اصل جنگ برسوں پہلے شروع ہونی چاہیے تھی۔ جب: زمین کا ریکارڈ درست کیا جاتا۔ وقف رجسٹریشن مکمل ہوتی۔ نقشہ محفوظ ہوتا۔ قانونی ٹیم مقرر ہوتی۔ ڈیجیٹل ریکارڈ بنتا۔ ہمیں اب بھی دیر سے سہی، لیکن یہ کام شروع کرنا ہوگا۔ کیونکہ اگر ہم ہر واقعے کے بعد صرف ماتم کرتے رہے تو ہر اگلا واقعہ ہمیں پہلے سے زیادہ کمزور کرے گا۔ لیکن اگر ہم نے اپنے مذہبی اداروں اور املاک کو: دستاویزات، قانون، ٹیکنالوجی، تنظیم اور اجتماعی ذمہ داری کے ذریعے محفوظ کرنا شروع کر دیا، تو صورتحال بدل سکتی ہے۔

وقت آ گیا ہے کہ ہم صرف یہ نہ پوچھیں: اگلی مسجد کو کیسے بچائیں؟" بلکہ ایک ایسا نظام بنائیں کہ: "اگلی مسجد کے خلاف غیر قانونی یا من مانی کارروائی کرنا آسان ہی نہ رہے۔"

یہی جذباتی ردعمل اور اجتماعی حکمت عملی کے درمیان فرق ہے۔

اور آج ہندوستانی مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضرورت ردعمل کی نہیں، نظام سازی کی ہے۔

نوٹ: چونکہ حکومت اور عدالتیں جانب دار ہیں اس لئے قانونی پہلوؤں کے بجائے ان نکات پر اہمیت دی گئی ہے جس کی بنیاد پر حکومت کو ان کارروائیوں سے روکا جا سکے، البتہ اگر ہم یہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں، تو قانون اپنا کام کرنے پر خود بخود مجبور ہو سکتا ہے۔

ایک آخری بات:

اس کام کی مجھ کوئی امید قطعی نہ رکھیں کیونکہ اس کام میں ایک طویل وقت ملک گیر نیٹ ورک اور بڑا سرمایہ لگے گا جس کی اسطاعت مجھ میں نہیں ہے، بدقسمتی سے میں عوام کے درمیان بھیک بھی نہیں مانگ سکتا ہے، کیونکہ ہمارا سماج اب بھیک بھی جنت کی ضمانت پر دیتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے۔ ہاں اگر افراد تیار ہوں تو الگ بات ہے۔

□□□

-خوشخبری خوشخبری خوشخبری-

مدارسِ اسلامیہ کے لیے خوشخبری

القلم فاؤنڈیشن پٹنہ بہار دے رہا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں خصوصی رعایت پر

(1) فارسی کی پہلی جدید ترتیب مع اضافہ تمرین
اصل قیمت 80/ رعایت (55)

(2) منہاج العربیہ اول جدید ترتیب
اصل قیمت 60/ رعایت (50)

(3) منہاج العربیہ دوم جدید
اصل قیمت 80/ رعایت (60)

(4) تسہیل المصادر جدید
اصل قیمت 80/ رعایت (60)

(5) میزان الصرف جدید بڑی سائز
اصل قیمت 100/ رعایت (55)

(6) گلزار دبستاں مع اضافہ تمرین
اصل قیمت 90/ رعایت (50)

(7) چہل حدیث جدید مع انگریزی
اصل قیمت 50/ رعایت (60)

(8) سچی نماز جدید ترتیب
اصل قیمت 80/ رعایت (60)

(9) دستور ہند کی تدریس
اصل قیمت 150/ رعایت (60)

(10) نوائے عارفاں
اصل قیمت 100/ رعایت (50)

یکساں سول کوڈ:
آئینی بنیاد، تاریخی پس منظر، سیاسی محرکات اور مسلم خدشات
ایک تحقیقی جائزہ

احمد رضا صابری، پٹنہ

”.....مسلم پرسنل لا اور ریاستی قانون کی کشمکش کا نمایاں موڑ شاہ بانو مقدمہ (1985) تھا۔ عدالت نے قرار دیا کہ جو مطلقہ مسلم خاتون اپنی کفالت نہ کر سکے، وہ عدت کے بعد بھی سابق شوہر سے نفقہ لینے کی حق دار ہے۔ اس کے ردِعمل میں پارلیمان نے 1986 میں مسلم خواتین (تحفظِ حقوق بر طلاق) ایکٹ بنایا جس نے نفقہ کو عدت تک محدود کیا، اور اس سیاسی پسپائی نے آنے والی دہائیوں کی یکساں سول کوڈ بحث کو شکل دی۔ اس کے بعد سرلا مدگل (1995) جیسے مقدمات میں عدالتِ عظمیٰ نے بھی یکساں ضابطے کی ضرورت پر رائے دی۔ 2017 میں شایرہ بانو مقدمے میں طلاقِ ثلاثہ کو غیر آئینی قرار دیا گیا اور بعد میں اس پر قانون سازی ہوئی۔ یہ دو نوری مثالیں دکھاتی ہیں کہ عدالتی اصلاح اور سیاسی ردِعمل ایک دوسرے سے الگ نہیں رہے.....“

بھارت میں یکساں سول کوڈ کی بحث نئی نہیں، مگر گزشتہ دو برسوں میں اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔ پہلے یہ پارلیمان اور قومی مباحثے کا موضوع تھی۔ اب یہ ریاستی اسمبلیوں کے ذریعے عملی قانون بن رہی ہے۔ اس مضمون میں آئینی بنیاد، تاریخی پس منظر، لا کمیشن کی آرا، ریاستی قوانین کی نوعیت، مسلم تنظیموں کے اعتراضات، حکومت کا مؤقف اور عدالتی چیلنجز کو الگ الگ دیکھا گیا ہے۔

آئینی بنیاد: دو دفعات کی کشمکش

بحث کا مرکز آئین کی دو طرح کی دفعات ہیں۔

۱۔ دفعات 25 تا 28: ہر شہری کو ضمیر کی آزادی اور اپنے مذہب پر عمل، اس کی تبلیغ اور مذہبی امور کے انتظام کا حق دیتی ہیں۔

۲۔ دفعہ 44: ریاست کو پابند کرتی ہے کہ وہ پورے ملک میں شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ کے حصول کی کوشش کرے۔ یہ دفعہ رہنما اصولوں کا حصہ ہے۔ یہ غیر قابلِ نفاذ

ہدایت ہے، یعنی عدالت اسے براہِ راست نافذ نہیں کرواتی۔theleafletpmfias

حامی کہتے ہیں کہ دفعہ 44 آئین ساز اسمبلی کی مرضی ہے اور اس پر عمل آئین کی تکمیل ہے۔ ناقدین کہتے ہیں کہ رہنما اصول بنیادی حقوق پر غالب نہیں آسکتے، اور مذہبی آزادی ایک بنیادی حق ہے۔ ایک تعلیمی تجزیے کے مطابق یکساں کوڈ دفعہ 25 (مذہبی آزادی) اور دفعہ 14 (قانون کے سامنے برابری) کے درمیان توازن پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ اصل سوال یہی ہے کہ یہ توازن کس طریقے سے اور کس کی مشاورت سے قائم ہو۔

تاریخی پس منظر: شاہ بانو سے آج تک

مسلم پرسنل لا اور ریاستی قانون کی کشمکش کا نمایاں موڑ شاہ بانو مقدمہ (1985) تھا۔ عدالت نے قرار دیا کہ جو مطلقہ مسلم خاتون اپنی کفالت نہ کر سکے، وہ عدت کے بعد بھی سابق شوہر سے نفقہ لینے کی حق دار ہے۔ اس کے ردِعمل میں پارلیمان نے 1986 میں مسلم خواتین (تحفظِ حقوق برطلاق) ایکٹ بنایا جس نے نفقہ کو عدت تک محدود کیا، اور اس سیاسی پسپائی نے آنے والی دہائیوں کی یکساں سول کوڈ بحث کو شکل دی۔ اس کے بعد سرلا مدگل (1995) جیسے مقدمات میں عدالتِ عظمیٰ نے بھی یکساں ضابطے کی ضرورت پر رائے دی۔ 2017 میں شایرہ بانو مقدمے میں طلاقِ ثلاثہ کو غیر آئینی قرار دیا گیا اور بعد میں اس پر قانون سازی ہوئی۔ یہ دونوں مثالیں دکھاتی ہیں کہ عدالتی اصلاح اور سیاسی ردِعمل ایک دوسرے سے الگ نہیں رہے۔

گوا کا معاملہ اکثر مثال کے طور پر دیا جاتا ہے۔ وہاں پرتگالی دور سے چلا آنے والا مشترکہ سول ضابطہ آج بھی نافذ ہے۔ مگر وہ ایک تاریخی ورثہ ہے، موجودہ ریاستی کوڈز کی طرح کوئی نیا قانون نہیں۔

لا کمیشن کی آرا

اس بحث میں سب سے اہم سرکاری دستاویز اکیسویں لا کمیشن کا 2018 کا مشاورتی مقالہ "خاندانی قانون میں اصلاحات" ہے۔ اس کمیشن نے، جس کی سربراہی جسٹس (ریٹائرڈ) بی ایس چوہان کر رہے تھے، کہا کہ اس مرحلے پر یکساں سول کوڈ نہ ضروری ہے اور نہ مطلوب۔ مقالے کی سفارش یہ تھی کہ اتفاقِ رائے کی عدم موجودگی میں بہتر راستہ شخصی قوانین کے تنوع کو برقرار رکھنا ہے، بشرطیکہ وہ بنیادی حقوق سے نہ ٹکرائیں۔ کمیشن نے ہر برادری کے قانون میں امتیازی دفعات کی نشاندہی کر کے اندرونی اصلاح کی تجویز دی۔

جون 2023 میں بائیسویں لا کمیشن نے عوام اور تسلیم شدہ مذہبی تنظیموں سے نئی رائے طلب کی۔ ناقدین نے نشاندہی کی کہ نئے نوٹس میں یہ وضاحت نہیں تھی کہ دوبارہ مشاورت کی ضرورت کیوں پڑی۔ ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قانون کے وزیر ارجن رام میگھوال نے پارلیمان کو بتایا کہ مرکزی حکومت نے ریاستوں کو یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لیے کوئی ہدایات جاری نہیں کیں۔ یعنی موجودہ ریاستی قانون سازی بنیادی طور پر ریاستی حکومتوں کے فیصلے کے طور پر سامنے آ رہی ہے۔

ریاستی ماڈل: اتراکھنڈ، گجرات اور آسام

اتراکھنڈ: 27 جنوری 2025 کو یہ ریاست یکساں سول کوڈ نافذ کرنے والی ملک کی پہلی ریاست بنی، اور یہ قانون شادی، طلاق اور جائیداد سمیت شخصی معاملات کو معیاری بناتا ہے۔ اس کی نمایاں دفعات کے بارے میں رپورٹس کا خلاصہ یہ ہے:

- لیو اِن تعلقات کی لازمی رجسٹریشن، حلالہ، عدت اور تعدد ازواج پر پابندی، اور مردوں اور عورتوں کے لیے وراثت کے یکساں حقوق۔
- قانون درج فہرست قبائل کے علاوہ ریاست کے تمام شہریوں پر لاگو ہوتا ہے۔

گجرات: اسمبلی نے مارچ 2026 میں سات گھنٹے

سے زیادہ کی بحث کے بعد بل منظور کیا۔ یہ قانون ریاست سے باہر رہنے والے گجراتی باشندوں پر بھی لاگو ہوگا۔ اس میں بھی شادی، طلاق، وراثت اور لیو اِن تعلقات کا مشترکہ ڈھانچہ ہے اور درج فہرست قبائل مستثنیٰ ہیں۔

آسام: وزیرِ اعلیٰ ہمنتا بسوا سرما کی حکومت نے مئی میں اسی نوعیت کا بل پیش کیا۔ تادمِ تحریر اس کی منظوری یا موجودہ حیثیت کا علم مجھے نہیں ہے۔

مسلمانوں کے اعتراضات: تفصیلی جائزہ

الف) مذہبی احکام کی جگہ ریاستی ضابطہ۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کا کہنا ہے کہ مسلم پرسنل لا اسلام کا لازمی حصہ ہے اور شریعت ایپلیکیشن ایکٹ 1937 کے تحت محفوظ ہے۔ مسلم تنظیموں کے نزدیک نکاح، طلاق، عدت اور وراثت کے احکام قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں، اس لیے انہیں "انتظامی یکسانیت" کے نام پر بدلنا دین میں مداخلت ہے۔

ب) وراثت کے احکام۔ اتراکھنڈ ہائی کورٹ میں دائر ایک درخواست کا مؤقف ہے کہ قانون کا دوسرا حصہ اور دوسرا شیڈول مسلمانوں کی وراثت کے لیے سورۃ النساء میں مقرر کردہ تفصیل کے برخلاف ضابطہ دیتا ہے۔ مسلم فقہ میں حصص قرآن میں متعین ہیں، اس لیے وراثت کو سب کے لیے ایک طرز پر لانا مذہبی احکام سے براہِ راست ٹکراؤ سمجھا جاتا ہے۔

ج) عدت پر پابندی۔ درخواست گزاروں کا استدلال ہے کہ عدت کی لازمی پابندی کو ممنوع قرار دینا مسلمانوں کے مذہبی عمل کی خلاف ورزی ہے۔ عدت قرآن میں مذکور ایک شرعی حکم ہے، اور یہاں اس پر پابندی کو ایک طرف خواتین کی آزادی کے نام پر دیکھا جاتا ہے اور دوسری طرف دینی حکم پر قدغن کے طور پر۔

> ".....و) ریاست کا اختیار. بورڈ کا مؤقف ہے کہ کوئی ریاست یکساں سول کوڈ بنانے کی مجاز نہیں. یہ آئینی سوال سب سے اہم ہے. شخصی قوانین مشترک فہرست (Concurrent List) میں آتے ہیں، جس پر ریاستیں بھی قانون بنا سکتی ہیں، مگر "یکساں سول کوڈ" کا لفظ دفعہ 44 میں "پورے بھارت" کے لیے آیا ہے. عدالت ہی طے کرے گی کہ ایک ریاست کے دائرے میں اس کا اطلاق کیسے سمجھا جائے.
>
> ز) نجی زندگی اور نگرانی. لیو اِن رجسٹریشن پر اعتراض صرف مسلمانوں کا نہیں. ہائی کورٹ میں اس کی رجسٹریشن اور عدم تعمیل پر سزاؤں کو چیلنج کیا گیا ہے. پی یو سی ایل نے گجرات کے قانون کی مذمت کی اور کہا کہ حکومت نے یہ نہیں دکھایا کہ اس سے صنفی انصاف کیسے آگے بڑھے گا....."

د) استثنا کا سوال۔ جمعیت علمائے ہند نے سوال اٹھایا کہ اگر کوڈ یکساں ہے تو شہریوں کے درمیان یہ امتیاز کیوں ہے؟ قبائل کے استثنا کی وجہ سے یہ تاثر پیدا ہوا ہے کہ ہدف صرف مسلم پرسنل لا ہے۔ اس کے جواب میں ریاستی حکومتیں قبائلی رسوم کو آئین کی خصوصی دفعات کے تحت تحفظ کا حوالہ دیتی ہیں۔ یہ بحث کا ایک مستقل نکتہ ہے۔

ہ) مشاورت اور جمہوری عمل۔ مسلم تنظیموں کا کہنا ہے کہ

لاکھوں ای میلز کے باوجود کمیٹی نے مخالفت کو نظر انداز کر کے بل کی منظوری کی سفارش کی۔ اتراکھنڈ کے ایک امام تنظیم کے صدر نے بھی کہا کہ برادری کے اعتراضات کو نظر انداز کیا گیا۔

و) ریاست کا اختیار۔ بورڈ کا مؤقف ہے کہ کوئی ریاست یکساں سول کوڈ بنانے کی مجاز نہیں۔ یہ آئینی سوال سب سے اہم ہے۔ شخصی قوانین مشترک فہرست (Concurrent List) میں آتے ہیں، جس پر ریاستیں بھی قانون بنا سکتی ہیں، مگر "یکساں سول کوڈ" کا لفظ دفعہ 44 میں "پورے بھارت" کے لیے آیا ہے۔ عدالت ہی طے کرے گی کہ ایک ریاست کے دائرے میں اس کا اطلاق کیسے سمجھا جائے۔

ز) نجی زندگی اور نگرانی۔ لیو اِن رجسٹریشن پر اعتراض صرف مسلمانوں کا نہیں۔ ہائی کورٹ میں اس کی رجسٹریشن اور عدم تعمیل پر سزاؤں کو چیلنج کیا گیا ہے۔ پی یو سی ایل نے گجرات کے قانون کی مذمت کی اور کہا کہ حکومت نے یہ نہیں دکھایا کہ اس سے صنفی انصاف کیسے آگے بڑھے گا۔

سیاسی پہلو

ناقدین کے مطابق اس مہم کے پیچھے انتخابی اور نظریاتی مفادات ہیں:

- گجرات میں کانگریس رکنِ اسمبلی نے الزام لگایا کہ بل 2027 کے انتخابات کے پیشِ نظر جلد بازی میں لایا گیا۔
- کانگریس نے اسے مسلم مخالف کہا۔
- کانگریس رہنما جے رام رمیش نے یاد دلایا کہ مودی حکومت کے مقرر کردہ اکیسویں لا کمیشن نے خود اس کوڈ کو غیر ضروری قرار دیا تھا۔

ان دعووں کی حیثیت ناقدین کے الزامات کی ہے۔ حکمران جماعت انہیں مسترد کرتی ہے اور اسے آئینی وعدے کی تکمیل کہتی ہے۔

عدالتی چیلنج

درخواست گزاروں نے شادی، طلاق، عدت، وراثت اور لیو اِن سے متعلق دفعات کو دفعات 14، 21 اور 25 کے منافی قرار دینے کی استدعا کی ہے۔ اتراکھنڈ ہائی کورٹ نے آئینی جواز کی متعدد درخواستوں کی سماعت کے لیے 10 نومبر کی تاریخ مقرر کی تھی۔ آدھ درجن سے زیادہ درخواستیں دائر ہیں۔ ایک تعلیمی خلاصے کے مطابق اپریل 2026 تک جمعیت علمائے ہند اور مسلم پرسنل لا بورڈ سمیت کئی درخواستیں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں زیرِ سماعت تھیں۔

غرضیکہ اس پوری بحث کو تین الگ سوالات میں تقسیم کرنا مفید ہے:

۱۔ اختیار کا سوال: کیا ریاستیں یہ قانون بنا سکتی ہیں؟ فیصلہ عدالت کرے گی۔

۲۔ مواد کا سوال: کیا مخصوص دفعات (وراثت، عدت، لیو اِن) دفعات 14، 21 اور 25 کے مطابق ہیں؟

۳۔ طریقِ کار کا سوال: کیا اتنے بڑے سماجی اثر والے قانون کے لیے کافی مشاورت ہوئی؟

اکیسویں لا کمیشن کی سفارش، یعنی اندرونی اصلاح، تنوع کا تحفظ اور امتیازی دفعات کا خاتمہ، ایک درمیانی راستہ پیش کرتی ہے۔ حامی کہتے ہیں کہ یہ راستہ دہائیوں میں مطلوبہ نتیجہ نہیں دے سکا۔ مسلم قیادت کا کہنا ہے کہ اصلاح کمیونٹی کے اندر اور باہمی اعتماد سے ہونی چاہیے، تھوپی ہوئی نہیں۔ سیاسی محرکات کے دعوے اپنی جگہ، مگر اصل فیصلہ عدالتوں اور آنے والے عوامی مباحثے کے ہاتھ میں ہے۔

□□□